قرآن اور تفسیر قرآن سے متعلق ایک انتہائی مفید رسالہ

مقدمہ تفسیر نعیمی

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

March 2019

اہلسنت وجماعت کا قرآن وسنت کا عظیم ادارہ

مرکزالعلوم الاسلامیہ اکیڈمی

جہاں اسلامی اور عصری علوم کا عظیم امتزاج

مختصر تعارف

طلبہ:

شعبہ حفظ: 145 شعبہ ناظرہ: 240

شعبہ درس نظامی: 105 شعبہ تجوید: 10

اور انہیں شعبہ جات میں 400 سے زائد طلبا اسکول کی تعلیم انٹر تک حاصل کر رہے ہیں نیز کم وبیش 100 طلباء مدرسے میں رہائش پذیر ہیں جن کے طعام وقیام اور میڈیکل کا مکمل خرچ مدرسہ برداشت کرتا ہے۔

مدرسہ کا اسٹاف

شعبہ حفظ وناظرہ 14 اساتذہ شعبہ درس نظامی وتجوید 10 اساتذہ

شعبہ عصری علوم یعنی اسکول 11 اساتذہ باورچی 2 خادم 4 چوکیدار 2

کل طلبہ کم وبیش پانچ سو اور پورہ اسٹاف 43 افراد پر مشتمل ہے۔

مرکز العلوم الاسلامیہ اکیڈمی میٹھادر کراچی پاکستان

DONATION

HABIB BANK LTD. BARNESS STREET BRANCH
ACC TITLE: MARKAZ UL ALOOM ISLAMIA (TRUST)
ACC NO: 00500025657003 - BRANCH CODE :0050



www.facebook.com/markazuloloom



https://www.waseemziyai.com



https://www.youtube.com/waseemziyai

قرآن اور تفسیر قرآن سے متعلق ایک انتہائی مفید رسالہ

مقدمہ

تفسیر نعیمی

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

حسن پبلشرز
اردو بازار لاہور

نام کتاب	مقدمہ تفسیر نعیمی
موضوع	تفسیر
زبان	اُردو
مصنف	حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ
تعداد صفحات	40
سن اشاعت	اگست 2016ء
تعداد	1100
ناشر	حسن پبلشرز
زیر اہتمام	انوار احمد خان نعیمی نواسہ مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

نوٹ: اس کتاب کی پروف ریڈنگ میں احتیاط سے کام لیا گیا ہے تاہم کوئی غلطی رہ گئی ہو تو ضرور مطلع کریں تاکہ تصحیح کی جا سکے۔ (انوار احمد خان نعیمی)

اسٹاکسٹ:
مکتبہ اعلیٰ حضرت
دربار مارکیٹ گنج بخش روڈ لاہور
042-37247301-0300-8842540

فہرست مضامین

مقدمہ

اس میں چند فصلیں ہیں

(پہلی فصل)

لفظ قرآن کے معنی اور اس کی وجہ تسمیہ

لفظ قرآن یا تو ''قرء'' سے بنا ہے یا ''قرأة'' سے یا ''قرن'' سے (تفسیر کبیر پارہ نمبر ۲) ''قرء'' کے معنے جمع ہونے کے ہیں۔ اب قرآن کو قرآن اس لئے کہتے ہیں کہ یہ بھی سارے اولین وآخرین کے علوم کا مجموعہ ہے۔ (تفسیر کبیر' روح البیان' پارہ نمبر ۲)

دین دنیا کا کوئی ایسا علم نہیں جو قرآن میں نہ ہو۔ اسی لئے حق تعالیٰ نے خود فرمایا کہ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (النحل:۸۹) نیز یہ سورتوں اور آیتوں کا مجموعہ ہے اور یہ تمام بکھروں کو جمع کرنے والا ہے۔ دیکھو ہندی' سندھی' عربی' عجمی لوگ ان کے لباس' طعام' زبان طریق زندگی سب الگ الگ تھا کوئی صورت نہ تھی کہ یہ اللہ تعالیٰ کے بکھرے ہوئے بندے جمع ہوتے۔ لیکن قرآن کریم نے ان سب کو جمع فرمایا اور ان کا نام رکھا مسلمان' خود فرمایا: سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ (الحج:۷۸) جیسے کہ شہد مختلف باغوں کے رنگ برنگے پھولوں کا رس ہے مگر اب ان سب رسوں کے مجموعہ کا نام شہد ہے۔ اسی طرح ''مسلمان'' مختلف ملکوں' مختلف زبانوں کے لوگ ہیں مگر اب ان کا نام ہے مسلمان' تو گویا یہ کتاب اللہ کے بندوں کو جمع فرمانے والی ہے۔ اسی طرح زندوں اور مردوں میں بظاہر کوئی علاقہ باقی نہ رہا تھا۔ لیکن اس قرآن عظیم نے ان کو بھی خوب جمع فرمایا کہ مردے مسلمان زندوں سے فیض لینے لگے کہ اسی قرآن سے ان پر

ایصال ثواب وغیرہ کیا جاتا ہے اور زندہ وفات شدہ لوگوں سے کہ وہ حضرات اسی قرآن کی برکت سے ولی، قطب، غوث بنے اور ان کا فیض بعد وفات جاری ہوا۔ انشاء اللہ اس کی بحث وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ (فاتحہ:۵) میں آئے گی۔

اور اگر یہ ''قراۃ'' سے بنا ہے تو اس کے معنی ہیں پڑھی ہوئی چیز۔ تو اب اس کو قرآن اس لئے کہتے ہیں کہ اور انبیائے کرام کو کتابیں یا صحیفے حق تعالیٰ کی طرف سے لکھے ہوئے عطا فرمائے گئے۔ لیکن قرآن کریم پڑھا ہوا اترا۔ اس طرح کہ جبریل امین حاضر ہوتے اور پڑھ کر سنا جاتے اور یقینا پڑھا ہوا نازل ہونا لکھے ہوئے نازل ہونے سے افضل ہے جس کی بحث دوسری فصل میں آتی ہے۔ نیز جس قدر قرآن کریم پڑھا گیا اور پڑھا جاتا ہے اس قدر کوئی دینی دنیوی کتاب دنیا میں نہ پڑھی گئی۔ کیونکہ جو آدمی کوئی کتاب بناتا ہے، وہ تھوڑے سے لوگوں کے پاس پہنچتی ہے اور وہ بھی ایک آدھ دفعہ پڑھتے ہیں اور پھر کچھ زمانہ بعد ختم ہو جاتی ہے۔ اسی طرح پہلی آسمانی کتابیں بھی خاص خاص جماعتوں کے پاس آئیں اور کچھ دنوں رہ کر پہلے تو بگڑیں پھر ختم ہو گئیں جس کا ذکر تیسری فصل میں ان شاء اللہ آئے گا لیکن قرآن کریم کی شان یہ ہے کہ سارے عالم کی طرف آیا اور ساری خدائی میں پہنچا، سب نے پڑھا۔ بار بار پڑھا اور دل نہ بھرا، اکیلے پڑھا، جماعتوں کے ساتھ پڑھا۔ اگر کبھی تراویح کی جماعت یا شبینہ دیکھنے کا اتفاق ہو تو معلوم ہوگا کہ اس عظمت کے ساتھ کوئی کتاب پڑھی ہی نہیں گئی۔ پرلطف بات یہ ہے کہ اس کو مسلمان نے بھی پڑھا اور کفار نے بھی پڑھا۔

لطیفہ: ایک بار رام چندر آریہ نے حضرت صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ مجھے قرآن کریم کے چودہ پارے یاد ہیں بتایئے آپ کو میرا ''وید'' کتنا یاد ہے؟ حضرت موصوف نے فرمایا۔ یہ تو میرے قرآن کا کمال ہے کہ دوست تو دوست دشمنوں کے سینوں میں بھی پہنچ گیا۔ تیرے ''وید'' کی یہ کمزوری ہے کہ دوستوں کے دل میں بھی گھر نہ کر سکا اور بقول تمہارے دنیا میں ''وید'' کو آئے ہوئے کروڑوں برس ہو چکے لیکن

ہندوستان سے آگے نہ نکل سکا مگر قرآن کریم چند صدیوں میں تمام عالم میں پہنچ گیا۔

اور اگر یہ ''قرن'' سے بنا ہے تو ''قرن'' کے معنی ہیں ملنا اور ساتھ رہنا۔ اب اس کو قرآن اس لئے کہتے ہیں کہ حق اور ہدایت اس کے ساتھ ہے۔ نیز اس کی سورتیں اور آیتیں ہر ایک بعض بعض کے ساتھ ہیں۔ کوئی کسی کے مخالف نہیں۔ نیز اس میں عقائد اور اعمال اور اعمال میں اخلاق' سیاسیات' عبادات' معاملات تمام ایک ساتھ جمع ہیں نیز یہ مسلمان کے ہر وقت ساتھ رہتا ہے۔ دل کے ساتھ' خیال کے ساتھ' ظاہری اعضاء کے ساتھ اور باطنی عضووں کے ساتھ دل میں پہنچا۔ اس کو مسلمان بنایا ہاتھ پاؤں ناک کان وغیرہ کو حرام کاموں سے روک کر حلال میں مشغول کر دیا۔ غرضیکہ سر سے لے کر پاؤں تک کے ہر عضو پر اپنا رنگ جما دیا۔ پھر زندگی میں ہر حالت میں ساتھ بچپن میں ساتھ جوانی میں ساتھ بڑھاپے میں ساتھ۔ پھر ہر جگہ ساتھ رہا' تخت پر ساتھ' تختے پر ساتھ' گھر میں ساتھ' مسجد میں ساتھ' آبادی میں ساتھ' جنگل میں ساتھ' سوتے میں ساتھ' جاگتے میں ساتھ' مصیبت میں ساتھ' آرام میں ساتھ' سفر میں ساتھ' حضر میں ساتھ' غرضیکہ ہر حال میں ساتھ' پھر مرتے وقت ساتھ کہ پڑھتے اور سنتے ہوئے مرے۔ قبر میں ساتھ کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان کی وفات کے بعد قبر میں قرآن پاک پڑھتے ہوئے سنا گیا اور حشر میں ساتھ کہ گنہگار کو خدا سے بخشوائے۔ پل صراط پر نور بن کر مسلمان کے آگے آگے چلے اور راستہ دکھائے اور بتائے اور جب مسلمان جنت میں پہنچے گا تو فرمایا جائے گا کہ پڑھتا جا اور پڑھتا جا۔ غرضیکہ یہ مبارک چیز کبھی بھی ساتھ نہیں چھوڑتی۔ اس کا دوسرا نام ''فرقان'' بھی ہے۔ یہ لفظ ''فرق'' سے بنا ہے اس کے معنی ہیں فرق کرنے والی چیز قرآن کو ''فرقان'' اس لئے کہتے ہیں کہ حق و باطل' جھوٹ اور سچ مومن اور کافر میں فرق فرمانے والا ہے۔ قرآن بارش کی مثل ہے دیکھو کسان زمین کے مختلف حصوں میں مختلف بیج بو کر چھپا دیتا ہے۔ کسی کو پتہ نہیں لگتا کہ کہاں کون سا بیج بویا ہوا ہے مگر بارش ہوتے ہی جو بیج دفن تھا' وہاں وہی پودا نکل آتا ہے تو بارش زمین کے اندرونی تخم کو ظاہر

کرتی ہے۔ اسی طرح رب تعالیٰ نے اپنے بندوں کے سینوں میں ہدایت، گمراہی، سعادت، شقاوت، کفروایمان کے مختلف تخم امانت رکھے۔ نزول قرآن سے پہلے سب یکساں معلوم ہوتے تھے۔ صدیق وابوجہل، فاروق وابولہب میں فرق نظر نہیں آتا تھا۔ قرآن نے نازل ہوکر کھرااور کھوٹا علیحدہ کردیا۔ صدیق کا ایمان زندیق کا کفر ظاہر فرما دیا۔ لہٰذا اس کا نام "فرقان" ہوا۔ یعنی ان میں فرق ظاہر فرمانے والا۔ قرآن کریم کے کل ۳۶ نام ہیں جن کی تفصیل ان شاء اللہ شروع سورہ بقرہ ذَالِكَ الْكِتَابُ (البقرہ:۲) میں بیان کی جائے گی۔

(دوسری فصل)

نزول قرآن کریم میں

نزول کے معنی ہیں اوپر سے نیچے اترنا اور کلام میں نقل وحرکت نہیں ہوسکتی لہٰذا اس کے اترنے اور نقل وحرکت کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں۔

یا تو کسی چیز پر لکھا جائے اور اس چیز کو منتقل کیا جائے۔ جیسے کہ ہم کوئی بات خط میں لکھ کر بھیج دیں۔ تو وہ بذریعہ اس کاغذ کے منتقل ہوئی۔ اس طرح پہلی کتابوں کا نزول ہوا تھا۔

یا کسی آدمی سے کوئی بات کہلا کے بھیج دی جائے۔ اس صورت میں حرکت کرنے والا وہ آدمی ہوگا اور وہ کلام اس کے ذریعے سے حرکت کرے گا اور یا بغیر کسی واسطے کے سننے والے سے گفتگو کرلی جائے۔ قرآن کریم کا نزول ان پچھلے دو طریقوں سے ہوا۔ یعنی جبریل امین آتے تھے اور آکر سناتے تھے۔ یہ نزول بذریعہ قاصد ہوا اور قرآن کریم کی بعض آیتیں معراج میں بھی بغیر واسطہ جبریل امین عطا فرمائی گئیں۔ جیسا "کہ مشکوٰۃ شریف باب المعراج" میں ہے کہ سورۃ بقرہ کی آخری آیتیں حضور علیہ السلام کو معراج میں عطا فرمائی گئیں۔ لہٰذا قرآن پاک کا نزول دوسری آسمانی کتابوں کے نزول سے

زیادہ شاندار ہے کہ وہ لکھی ہوئی آئیں۔ یہ بولا ہوا آیا اور لکھنے اور بولنے میں بڑا فرق ہے۔ کیونکہ بولنے کی صورت میں بولنے کے طریقے سے اتنے معنی بن جاتے ہیں کہ جو لکھنے سے حاصل نہیں ہو سکتے مثلاً ایک شخص نے ہم کو لکھ کر دیا کہ تم دہلی جاؤ گے۔ ہم لکھی ہوئی عبارت سے ایک ہی مطلب حاصل کر سکتے ہیں۔ لیکن اس جملے کو اگر وہ بولے تو پانچ چھ طریقے سے بول کر اس میں وہ پانچ چھ معنی پیدا کر سکتا ہے۔ ایسے لہجوں سے بول سکتا ہے کہ جس سے سوال، حکم، تعجب، تمسخر وغیرہ کے معنی پیدا ہو جائیں مجھ سے ایک شخص نے کہا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تاروں کے بارے میں فرمایا: ''هٰذَا رَبِّي'' یہ میرا رب ہے اور یہ شرک ہے۔ انبیائے کرام شرک سے معصوم ہوتے ہیں۔ پھر آپ نے یہ کیوں فرمایا۔ میں نے ان سے کہا کہ ہم کو یہ جملہ لکھا ہوا ملا۔ اس سے ہم ان کی مراد کے سمجھنے میں غلطی کر سکتے ہیں۔ ممکن ہے کہ انہوں نے اس کو اس طرح بولا ہو کہ جس سے انکار یا سوال کے معنی پیدا ہو گئے ہوں تو حقیقت میں یہ کلام ان چیزوں کی ربوبیت کے انکار کے لئے ہوا۔ غرضیکہ بولنے اور لکھنے میں بڑا فرق ہے۔

(فائدہ) کوئی انسان قرآن کریم کو صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح نہیں جان سکتا۔ اس کی چند وجہیں ہیں۔ ان میں سے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہم نے قرآن کریم جبریل امین کی زبان سے نہ سنا۔ لہٰذا ادا کرنے میں جو اسرار و نکات حاصل ہوئے ہوں گے، ان تک ہمارا دماغ کیسے پہنچ سکتا ہے۔

قرآن پاک کا نزول کتنی بار ہوا

قرآن کریم کا نزول چند طریقے سے اور چند بار ہوا ہے۔ اولاً لوح محفوظ سے پہلے آسمان کی طرف نزول ہوا کہ یکبارگی ماہ رمضان کی شب قدر میں ہوا۔ اس کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے: شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ (البقرہ:۱۸۵) اور اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ (القدر:۱) پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر تیئس سال کے عرصہ میں تھوڑا تھوڑا بقدر ضرورت آتا رہا۔ احادیث سے ثابت ہے کہ رمضان میں حضرت جبریل امین

حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر سارا قرآن سنایا کرتے تھے اور بعض آیتیں دو دو بار بھی نازل ہوئی ہیں۔ جیسے سورۃ فاتحہ وغیرہ۔

خلاصہ یہ ہوا کہ حضور ﷺ پر قرآن کا نزول کئی طریقے سے ہوا۔ لیکن احکام اس نزول سے جاری فرمائے جاتے تھے جو بذریعہ جبریل امین تھوڑا تھوڑا آتا تھا۔ ہماری اس تقریر سے ایک بڑا اعتراض بھی اٹھ گیا۔ وہ یہ کہ حق تعالیٰ نے قرآن کریم کے بارے میں کہیں "نَزَّلْنَا" فرمایا اور کہیں "اَنْزَلْنَا" اور "نَزَّلْنَا" کا معنی ہے آہستہ آہستہ ہم نے اتارا "اَنْزَلْنَا" کا معنی ہے یکبارگی اتار دیا۔ ان دونوں آیتوں کی مطابقت کیسے کی جائے؟ جواب معلوم ہو گیا کہ چند بار نزول ہوا ہے اور ان آیتوں نے الگ الگ نزولوں کو بیان فرمایا ہے۔ نزول قرآن اور دیگر آسمانی کتب کے نزول میں تین طرح فرق ہے۔ ایک یہ کہ اور کتب لکھی ہوئی آئیں قرآن پڑھا ہوا یعنی وہ سب تحریری، قرآن تقریری، دوسرے یہ کہ وہ سب ان پیغمبروں کو خاص جگہ بلا کر دی گئیں مگر قرآنی آیات عرب کے گلی کوچوں بلکہ حضور کے بستر شریف میں آئیں تاکہ حجاز کا ہر ذرہ عظمت والا ہو جائے کہ وہ قرآن کا جائے نزول ہے۔ تیسرے یہ کہ وہ کتب یکبارگی اتریں قرآن کریم ۲۳ سال میں تاکہ حضور سے ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی ہمکلامی رہے اور مسلمانوں کو عمل آسان ہو کیونکہ یکدم سارے احکام پر عمل مشکل ہوتا ہے۔ دیکھو بنی اسرائیل ایک دم تورات ملنے سے گھبرا گئے اور بولے: "سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا" (البقرہ: ۹۳)

قرآن کا نزول حضور علیہ السلام پر کیوں ہوا؟

بندوں کے لئے ضروری ہے کہ حق تعالیٰ کے احکام کو مانیں۔ لیکن یہ ماننا جب ہی ضروری ہوگا جب کہ وہ احکام نبی کی پاک زبان سے ادا ہوں حق تعالیٰ تو بلا واسطہ کسی غیر نبی سے کلام نہیں فرماتا۔ اگر جبریل انسانی شکل میں آ کر لوگوں کو احکام سنا جاتے تو کبھی ان پر عمل کرنا ضروری نہ ہوتا، اسی طرح کوئی غیر نبی خواب یا الہام یا غیبی آواز سے کسی حکم پر مطلع ہو جائے تو اس کا ماننا شرعاً لازم نہ ہوگا۔ مشکوٰۃ شریف کے شروع میں ہے کہ ایک

بار حضرت جبریل امین شکل انسانی میں سائل بن کر حضور پاک کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضور سے دریافت کیا کہ ایمان کیا ہے' اسلام کیا ہے احسان کیا ہے حضور نے جواب دیئے۔ جب وہ دریافت کر کے چلے گئے تو سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا جبریل امین تھے اور تم کو دینی باتیں سکھانے آئے تھے۔ دیکھو اس موقع پر حضرت جبریل امین نے خود ہی نہ کہہ دیا کہ اے صاحبو! میں جبریل ہوں اور تم کو فلاں فلاں بات کا حکم کرتا ہوں کیونکہ وہ جانتے تھے کہ میری اطاعت ان حضرات پر واجب نہ ہو گی۔ اس لئے حضور علیہ السلام کی زبان پاک سے وہ کلمات لوگوں کو سنوائے۔ اماموں کا قیاس بھی حق تعالیٰ کے فرمان یا حضور کے ارشاد پر مبنی ہوتا ہے۔ ہمارے اس کلام سے نتیجہ یہ نکلا کہ ؎

اصل اصول بندگی اس تاجور کی ہے!

کہ نبی کی ہی اطاعت درحقیقت حق تعالیٰ کی اطاعت ہے۔

فائدہ:- پیغمبر کا خواب اور ان کا الہام وغیرہ بھی وحی کی طرح قابل اطاعت ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں دیکھا تھا کہ اپنے فرزند کو ذبح کر دو حالانکہ بے قصور آدمی کو قتل کرنا شریعت کے خلاف تھا۔ لیکن آپ کے اس خواب نے اس حکم شرعی کو آپ کے حق میں منسوخ کر دیا آج اگر کوئی مسلمان یہ خواب دیکھے تو وہ محض اپنے خواب پر ایسے کام کی جرأت نہیں کر سکتا کیونکہ یہ خلاف شریعت ہے۔ نقطہ یہ بھی یاد رہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نہ تو نبی ہیں نہ نبیوں کے استاذ۔ بلکہ رب تعالیٰ اور پیغمبروں کے درمیان پیغام پہنچانے والے قاصد ہیں اور انبیائے کرام کے خادم نبی' حکومت الٰہیہ کے اختیارات والے حکام ہیں حضرت جبریل امین ایسے نہیں۔ بلاشبہ یوں سمجھو کہ ایک ضلع کا افسر ہے اور ایک محکمہ ڈاک کا قاصد بادشاہ کے یہاں سے احکام ڈاک کے ذریعے سے حاکم کے پاس آتے ہیں تو ڈاک کا لانے والا حاکم نہیں حاکم وہی ہے جس کے پاس یہ احکام آئے اور جوان پر رعایا سے عمل کرائے گا۔

قرآن اور حدیث کا فرق

قرآن اور حدیث دونوں ہی وحیٔ الٰہی ہیں۔ دونوں کی اطاعت ضروری ہے۔ فرق اتنا ہے کہ قرآن کریم کی عبارت خدا کی طرف سے ہے اور مضمون بھی۔ گویا جس طرح حضرت جبریل امین نے آ کر سنایا۔ اسی طرح بلا کسی فرق کے حضور علیہ السلام نے بیان فرما دیا۔ حدیث میں یہ ہے کہ مضمون رب کی طرف سے ہوتا ہے اور الفاظ حضور علیہ السلام کے اپنے ہوتے ہیں۔ اب اس مضمون کا رب کی طرف سے آنا یا بطور الہام ہوتا ہے یا فرشتہ ہی عرض کرتا ہے۔ لیکن اس کی ادائیگی حضور علیہ السلام کے اپنے الفاظ سے ہوتی ہے۔ اسی لئے اس کا ماننا اور اس پر عمل کرنا ضروری۔ لیکن اس کی تلاوت نماز میں بجائے قرآن شریف کے نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ عمل مضمون پر ہوتا ہے اور تلاوت الفاظ کی ہوتی ہے اور اسی وجہ سے قرآن پاک کے احکام حدیث سے منسوخ ہو سکتے ہیں ہم اس کی پوری بحث ان شاء اللہ تعالیٰ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَةٍ اَوْ نُنْسِهَا (البقرہ:۱۰۶) میں کریں گے۔ دیکھو غیر اللہ کو سجدۂ تعظیمی کرنا قرآن شریف سے ثابت ہے مگر حدیث نے اس کو منسوخ کیا وغیرہ وغیرہ۔ اسی لئے قرآن پاک فرماتا ہے: وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (البقرہ:۱۲۹) یعنی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو قرآن شریف اور حکمت سکھاتے ہیں۔ اگر حدیث شریف ماننے کی ضرورت نہ ہوتی تو حکمت کا ذکر نہ فرمایا جاتا فقط کتاب کا ذکر ہی کافی تھا۔ حدیث ماننے کا یہ مطلب نہیں کہ قرآن ناقص ہے۔ قرآن پاک بالکل مکمل کتاب ہے لیکن اس مکمل میں سے مضامین حاصل کرنے کے لئے مکمل ہی انسان کی ضرورت تھی اور وہ نبی کریم ہیں صلی اللہ علیہ وسلم، سمندر میں موتی ضرور ہیں لیکن ان کے حاصل کرنے کے لئے کسی غواص (غوطہ خور) کی ضرورت ہے اگر قرآن پاک سے مسائل ہر شخص نکال لیا کرتا تو اس کے سکھانے کے لئے پیغمبر کیوں بھیجے جاتے۔ اس کی پوری بحث ان شاء اللہ آئندہ ہوگی اور جس طرح کہ قرآن شریف کے ہوتے ہوئے حدیث پاک کے سننے کی ضرورت ہے اور حدیث کے ماننے سے قرآن کا ناقص ہونا لازم نہیں آتا اسی

طرح حدیث وقرآن کے ہوتے ہوئے ہم جیسوں کو فقہ کے ماننے کی بھی ضرورت ہے اور فقہ ماننے سے یہ لازم نہیں آتا کہ قرآن وحدیث ناقص ہوں اسی لئے قرآن کریم نے عام حکم فرمادیا کہ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ (النساء: ۵۹) یعنی اطاعت کرو اللہ کی اور اللہ کے رسول علیہ السلام کی اور اپنے میں سے اَمر والوں (علماء مجتہدین) کی یہ بھی خیال رہے کہ حضور ﷺ کا ہر قول وفعل جو منقول ہو جائے وہ حدیث ہے خواہ ہمارے لئے لائق عمل ہو یا نہ ہو مگر سنت صرف ان اقوال واعمال کو کہا جاتا ہے جو ہمارے لئے لائق عمل ہوں۔ اسی لئے حضور نے فرمایا: عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ تم پر میری سنت لازم ہے۔ یہ نہ فرمایا: عَلَیْکُمْ بِحَدِیْثِیْ، لہٰذا دنیا میں کوئی شخص اہل حدیث نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ تمام حدیثوں پر عمل ناممکن۔ ہاں اہل سنت ہوسکتا ہے یعنی تمام سنتوں پر عمل ہوسکتا ہے۔

(تیسری فصل)

قرآن پاک کی ترتیب اوراس کا جمع ہونا

پہلے معلوم ہوچکا ہے کہ قرآن پاک لوح محفوظ میں لکھا ہوا تھا۔ قرآن کریم فرماتا ہے قُرْاٰنٌ مَّجِیْدٌ فِیْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ (البروج: ۲۲) پھر وہاں سے پہلے آسمان پر لایا گیا۔ پھر وہاں سے تیئس سال میں آہستہ آہستہ حضور علیہ السلام پر نازل ہوتا رہا مگر یہ نازل ہونا اس لکھے ہوئے کی ترتیب کے موافق نہ تھا۔ کیونکہ یہ نزول بندوں کی ضرورت کے مطابق ہوتا تھا جس آیت کی ضرورت ہوئی وہی آ گئی۔ مثلاً اگر اول ہی سے شراب کے حرام ہونے کی آیتیں اتر آتیں تو یقیناً عرب کے نئے مسلمانوں کو دشواری واقع ہوتی کیونکہ وہاں عام طور پر شراب پی جاتی تھی۔ اس طرح سارے احکام کو سمجھ لو لیکن چونکہ حضور علیہ السلام کی نگاہ پاک لوح محفوظ وغیرہ پر تھی اس لئے آپ ہر آیت کے نزول کے وقت اس کو ترتیب سے جمع کرادیتے تھے اس طرح کہ جو حضرات کاتبِ وحی مقرر تھے ان کو فرمادیتے تھے

کہ یہ آیت فلاں سورت میں فلاں آیت کے بعد رکھو اور یہ ترتیب لوح محفوظ کی ترتیب کے موافق تھی اور طریقہ اس وقت یہ تھا کہ حضرت زید بن ثابت و دیگر بعض صحابہ رضی اللہ عنہم اس خدمت کو انجام دینے کے لئے مقرر تھے۔

جس وقت جو آیت اترتی حضور علیہ السلام کے حکم کے مطابق اونٹ کی ہڈیوں پر کھجور کے پتوں پر اور مختلف کاغذوں پر لکھ لیتے تھے اور یہ چیزیں متفرق طور پر لوگوں کے پاس رہیں لیکن ان حضرات کو زیادہ اعتماد حافظے پر تھا۔ یعنی عام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پورے قرآن کے حافظ تھے جیسا کہ آج حافظ ہیں۔ بلکہ اس سے زیادہ تو یوں سمجھو کہ قرآن پاک کی ترتیب خود حضور علیہ السلام نے دے دی تھی۔ لیکن ایک جگہ کتابی شکل میں جمع نہ فرمایا تھا۔ اس کی تین وجہیں تھیں۔ ایک تو یہ کہ چونکہ صدہا حافظ اس کو اسی ترتیب سے یاد کر چکے تھے جو آج تک چلی آ رہی ہے اور نماز میں پڑھنا فرض تھا اور نماز کے علاوہ بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم برکت کے لئے اس کو کثرت اوقات پڑھتے ہی رہتے تھے۔ اس لئے اس کے ضائع ہونے کا کچھ اندیشہ نہ تھا اور دوسرے یہ کہ جہاد اور دیگر ضروریات زندگی کی وجہ سے اتنا موقعہ نہ مل سکا کہ اس کو ایک جگہ جمع کیا جاتا اور تیسرے یہ کہ جب تک کہ پورا قرآن پاک نہ آ جاتا۔ اس کو جمع کرنا غیر ممکن تھا کیونکہ ہر سورت کی کچھ آیات اتر چکی تھیں کچھ اترنے والی ہوتی تھیں حضور کی وفات سے کچھ روز پہلے نزول قرآن کی تکمیل ہوئی۔

غرضیکہ حضور علیہ السلام کی زندگی پاک میں قرآن کریم کتابی شکل میں ایک جگہ جمع نہ ہو سکا۔ البتہ مرتب ہو گیا اللہ کی شان کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں یعنی حضور علیہ السلام کی وفات ہی کے سال ملک یمامہ کے جھوٹے مدعی نبوت مسیلمہ کذاب اور اس کے ساتھیوں سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سخت جنگ کرنی پڑی اور اس جنگ میں تقریباً سات سو حافظ قرآن بھی شہید ہو گئے تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ بارگاہ صدیقی میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اگر اسی طرح حافظ اور قرآء شہید ہوتے رہے تو بہت جلد قرآن پاک ضائع ہو جائے گا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع فرمایا جنہوں نے

حضور علیہ السلام کے زمانہ میں وحی لکھنے کی خدمت انجام دی تھی اور اس کا مہتمم حضرت زید ابن ثابت رضی اللہ عنہ کو قرار دیا کہ تم تمام جگہ سے قرآن پاک کی آیات جمع کر کے کتابی شکل میں تیار کرو۔ زید ابن ثابت رضی اللہ عنہ کہتے تھے۔ آپ وہ کام کیوں کرتے ہیں جو حضور علیہ السلام نے نہ کیا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ کام اچھا ہے۔

نوٹ:- اس سے بدعت حسنہ کا ثبوت ہوا۔ حضرت زید ابن ثابت رضی اللہ عنہ نے نہایت محنت اور جانفشانی سے ان تمام آیتوں کو یکجا جمع کیا جو کہ لوگوں کے سینوں کھجور کے پتوں اور ہڈیوں میں لکھی ہوئی تھیں اور ترتیب وہی رہی جو حضور علیہ السلام نے فرمائی تھی۔ یہ قرآن کا نسخہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی حیات میں ان کے پاس رہا۔ پھر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس رہا۔ پھر ان کے بعد فاروق رضی اللہ عنہ کی بیٹی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک بیوی حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس محفوظ رہا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں حذیفہ ابن ایمان رضی اللہ عنہ جو کہ آرمینیہ اور آذربائیجان کے کفار سے جنگ فرما رہے تھے۔ وہاں کی مہم سے فارغ ہو کر حاضر بارگاہ ہوئے اور عرض کیا کہ ”اے امیر المومنین لوگوں میں قرآن پاک کے متعلق اختلاف شروع ہو گئے ہیں اگر یہ اختلاف بڑھتے رہے تو مسلمانوں کا حال یہود و نصاریٰ کی طرح ہو جائے گا۔ لہٰذا اس کا جلد کوئی انتظام کیجئے۔ وجہ اختلاف یہ تھی کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے نسخوں میں حضور علیہ السلام کے وہ الفاظ بھی لکھے تھے جو آپ نے بطور تفسیر ارشاد فرمائے تھے اور وہ حضرات اس کو قرآن ہی کا جز و سمجھ لیتے تھے۔ حالانکہ وہ الفاظ قرآن نہ تھے۔ جیسے کہ مصحف ابن مسعود رضی اللہ عنہ وغیرہ نیز ایک نسخہ تمام ملک کے مسلمانوں کے لئے اب کافی نہ تھا۔ نیز حافظ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جو لقمہ قرآن مجید میں لگتا تھا اس کے نکالنے میں بہت دشواری ہوتی تھی۔ ان وجوہ کی بنا پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے پھر زید ابن ثابت رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا اور ان کی مدد کے لئے عبداللہ ابن زبیر اور سعید ابن عاص اور عبداللہ ابن حارث ابن ہشام کو مقرر کیا۔ ان حضرات نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس سے پہلے جمع کئے ہوئے قرآن کو منگایا اور پھر اس کا مقابلہ حفاظ کے

حفظ قرآن سے نہایت تحقیق سے کر کے چھ یا سات نسخے نقل کئے اور یہ نسخے عراق، شام، مصر وغیرہ اسلامی ممالک میں بھیج دیئے اور اصل نسخہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو واپس کر دیا اور جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس تفسیر سے ملے ہوئے قرآن کے نسخے تھے اور وہ اس کو قرآن پاک ہی سمجھ بیٹھے تھے ان کو منگوا کر جلوا دیا گیا کیونکہ ان نسخوں کا باقی رہنا آئندہ بڑے فتنوں کا دروازہ کھول دیتا کہ آئندہ لوگ اس کو قرآن پاک ہی سمجھ بیٹھتے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ اب تک قرآن پاک اسی طرح بلا کم و کاست مسلمانوں میں چلا آ رہا ہے۔

ناظرین! ہماری اس تقریر سے سمجھ گئے ہوں گے کہ قرآن پاک کی ترتیب نزول قرآن کے مطابق ہوسکتی ہی نہیں تھی۔ کیونکہ موجودہ ترتیب لوح محفوظ کی ترتیب کے مطابق ہے اور قرآن پاک کا نزول ضرورت کے مطابق ہوا اور یہ بھی سمجھ گئے ہوں گے کہ قرآن پاک کو ترتیب دینے والے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں لیکن اس کو کتابی شکل میں ترتیب دینے والے اولاً صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور دوسرے عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہیں۔ اس لئے آپ کا لقب عثمان ''جامع القرآن'' ہوا۔

نکتہ: صلح حدیبیہ کے موقع پر جب کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور علیہ السلام کے ہاتھ پر بیعت کی۔ جس بیعت کا نام ''بیعت الرضوان'' ہے۔ اس میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ موجود نہ تھے۔ کیونکہ ان کو حضور علیہ السلام کی طرف سے مکہ معظمہ بھیجا گیا تھا۔ تو حضور علیہ السلام نے اپنے بائیں ہاتھ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ عثمان کا ہاتھ ہے اور خود ان کی طرف سے بیعت فرمائی ۔

خو کوزہ و خود کوزہ گر و خود گل کوزہ!

تو حضور علیہ السلام کا ہاتھ گویا عثمان غنی کا ہاتھ ہوا اور حق تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ فرمایا: یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ (الفتح:۱۰) تو گویا اس واسطے سے عثمان غنی کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ ہے اور قرآن کریم اللہ کا کلام۔ تو یوں کہ کلام اللہ، ید اللہ نے جمع فرمایا۔ اس لئے عثمان غنی کو جمع قرآن کے لئے منتخب فرمایا گیا۔

نوٹ ضروری:۔قرآن پاک کی تقسیم اس زمانہ پاک میں دو طریقے سے ہو چکی تھی۔ایک سورتوں سے' دوسری منزلوں سے یعنی قرآن پاک کی سات منزلیں کی گئی تھیں کہ تلاوت کرنے والا ایک منزل روزانہ کے حساب سے ختم کر سکے سات دن میں ان منزلوں کو فمی شرق میں جمع کیا گیا ہے یعنی پہلی منزل سورۃ فاتحہ سے شروع ہوتی ہے۔ دوسری مائدہ سے' تیسری سورۃ یونس سے' چوتھی سورۃ بنی اسرائیل سے' پانچویں سورۃ شعراء سے' چھٹی سورۃ والصّٰفّٰت سے اور ساتویں سورۃ ق سے پھر اس کے بعد قرآن پاک کے تیس حصے برابر کیے گئے جس کا نام رکھا گیا تیس سیپارے تا کہ تلاوت کرنے والا ایک سیپارہ روز کے حساب سے ایک مہینہ میں قرآن ختم کر سکے۔پھر قرآن پاک میں زیر وزبر نہ ہونے کی وجہ سے اس کے تلاوت کرنے میں سخت دشواری محسوس ہوتی تھی کیونکہ غیر عربی لوگ تو پڑھ ہی نہ سکتے تھے اور عربی حضرات بھی بعض بعض موقعوں پر دشواری محسوس کرتے تھے۔لہٰذا اس میں زیر وزبر لگائے گئے اور نون قطنی ظاہر کیے گئے۔مشہور یہ ہے کہ یہ کام حجاج بن یوسف نے کیا۔اسی حجاج بن یوسف نے سورتوں کے نام قرآن میں لکھے۔اس سے پہلے یہ نام قرآن میں نہ لکھے تھے (تفسیر خزائن العرفان) پھر اس میں تفسیر روح البیان آخر سورۃ حجرات میں مصحف عثمانی میں نہ نقطے تھے نہ اعراب نہ رکوع نہ سیپارے۔نقطے لگانے والے اعراب لگانے والے ابو اسود دہ بلی تابعی ہیں جنہوں نے حجاج ابن یوسف کے حکم سے یہ کام کیا۔پھر خلیل ابن احمد فرامیدی نے مد اور وقف وغیرہ کی علامات قرآن میں لگائیں اور یعرب ابن قحطان نے قرآن کو عربی خط یعنی نسخ میں لکھا۔بعض لوگوں نے کہا ہے کہ قرآن کے تیس پارے اور اس میں نصف' ربع' ثلث کے نشانات مامون عباسی کے زمانے میں لگائے گئے رکوع بنائے گئے۔یعنی حضرت عثمان غنی رمضان شریف کی تراویح کی نماز میں جس قدر قرآن پاک پڑھ کر رکوع فرماتے تھے۔اتنے حصے کو رکوع قرار دیا گیا۔اس لئے اس کے نشان پر قرآن مجید کے حاشیے پر ع لگا دیتے ہیں بعض کہتے ہیں کہ یہ عمرو کے نام کا عین ہے بعض

کہتے ہیں کہ عثمان کے نام کا عین۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ لفظ رکوع کا عین ہے تو حقیقت میں یہ تمام کام تلاوت کرنے والے کی آسانی کے لئے کئے گئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تراویح بیس رکعت ہونی چاہیے نہ کہ آٹھ رکعت' اس لئے کہ حضرت عثمان روزانہ بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے اور ہر رکعت میں قرآن پاک ایک رکوع پڑھتے اور ستائیسویں رمضان المبارک ختم قرآن پاک فرماتے۔ اس حساب سے کل پانچ سو چالیس رکوع بنتے ہیں اور کل رکوع قرآن پاک کے پانچ سو چھپن ہیں۔ چونکہ بعض سورتیں بہت چھوٹی ہیں اس لئے بعض رکعتوں میں دو سورتیں پڑھ لی جاتی ہیں اگر تراویح آٹھ رکعت ہوتی جیسے وہابی کہتے ہیں تو قرآن پاک کے رکوع دو سو سولہ ہونے چاہیے تھے۔ اس کی مزید تحقیق کے لئے ہماری کتاب لَمَعَاتُ الْمَصَابِيحِ عَلَى الرَّكْعَاتِ التَّرَاوِيحِ دیکھو۔

سورتوں کی ترتیب کے بارے میں اختلاف ہے بعض فرماتے ہیں کہ ان کو بھی آیتوں کی طرح حضور ﷺ نے ہی ترتیب دیا تھا اور بعض فرماتے ہیں کہ نہیں بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجتہاد سے یہ ترتیب ہوئی لیکن تفسیر عزیزی نے یہ فیصلہ فرمایا ہے کہ حضور ﷺ نے بہت سی سورتوں کی ترتیب اشارۃً خود ہی فرمادی تھی جیسے کہ سات طویل سورتیں اور ہم والی اور مفصل کی سورتیں۔ ان کو حضور ﷺ نے نمازوں یا اپنے وظیفوں میں ترتیب وار پڑھ کر بتلادیا تھا اور بعض سورتوں کی ترتیب حضور کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجتہاد سے مضامین کی مناسبت سے واقع ہوئی جیسے کہ کسی بڑے شاعر کے کلام کو ہم ترتیب دیں تو اس کو ردیف کے حرفوں کے مطابق اس طرح ترتیب دیتے ہیں کہ بڑی بڑی غزلیں اور قصیدے پہلے اور مثنوی اس کے بعد اور قطعے اور رباعیاں اس کے بعد۔ تو ترتیب میں کلام کی موزونیت کا لحاظ رکھا جاتا ہے نہ کہ اس نے یہ کلام کب کہا؟ اسی لئے مدنی بڑی بڑی سورتیں قرآن پاک میں اول ہیں اور مکی سورتیں بعد میں۔

(چوتھی فصل)

قرآن پاک کی حفاظت

قرآن پاک سے پہلی کتابیں مثلاً توراۃ' انجیل وزبور وغیرہ ایک خاص وقت تک کے لئے اور خاص خاص قوموں کے لئے دنیا میں بھیجی گئیں اس لئے حق تعالیٰ نے ان کی حفاظت کا ذمہ خود نہ لیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان پیغمبران عظام کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد وہ کتابیں بھی قریب قریب ختم ہوگئیں۔ لیکن یہ قرآن کریم سارے جہان کے لئے آیا اور ہمیشہ کے لئے آیا۔ اس لئے رب تعالیٰ نے خود اس کی حفاظت کا وعدہ فرمایا تھا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا: نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر:۹) ہم نے ذکر و قرآن اتارا ہے اور ہم اس کے محافظ ہیں۔

سبحان اللہ! ایسی اس کی حفاظت ہوئی کہ کوئی شخص اس میں زیر اور زبر کا فرق نہ کر سکا۔ اس کی حفاظت کا ذریعہ ہوا کہ قرآن کریم فقط کاغذ پر ہی نہ رہا بلکہ مسلمانوں کے سینوں میں محفوظ کیا گیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ کی حالت تو ہم سنی سنائی بیان کر سکتے ہیں لیکن اس زمانہ میں تو مشاہدہ ہو رہا ہے کہ اگر کسی چھوٹے سے گاؤں میں بھی کسی مجمع کے سامنے کوئی تلاوت کرنے والا ایک زیر زبر کی غلطی کر دے تو ہر چہار طرف سے آوازیں آتی ہیں کہ آپ نے غلط پڑھا۔ اس طرح پڑھو اور ہر زمانے ہر جگہ ایک دو نہیں بلکہ صدہا حافظ پیدا ہوتے رہے۔

اس کی مثال یوں سمجھو کہ جب بچہ سکول میں قدم رکھتا ہے تو چونکہ اسے ابھی کتاب سنبھالنے کی لیاقت نہیں ہوتی لہٰذا اس کے استاذ چھوٹے چھوٹے قاعدے اور کتابیں اس کو خرید کر دیتے ہیں وہ بچہ کتابیں پڑھتا بھی جاتا ہے اور ضائع بھی کرتا جاتا ہے۔ جب کسی قدر ہوش سنبھالتا ہے تو اب کتابیں پھاڑتا تو نہیں لیکن ان پر لکھ لکھ کر خراب کرتا رہتا ہے۔ پھر جب خوب سمجھدار ہو جاتا ہے اور کتاب کی قدر و قیمت پہچانتا ہے تو اب

کتاب کو جان سے بھی زیادہ عزیز سمجھتا ہے۔ اسی طرح دنیا سب سے پہلے خدائی کتابوں اور صحیفوں کو سنبھال نہ سکی تو ان کو برباد کر ڈالا۔ پھر توریت و انجیل کو بالکل تو نہ مٹایا مگر اپنی طرف سے بہت کچھ اس میں غلط ملط کر دیا۔ دنیا کے اخیر دور میں قرآن کریم تشریف لایا اور قدرت نے اس کو سنبھالنے کا طریقہ سکھایا۔ توریت و انجیل کسی زمانے میں بگڑی بگڑائی پائی جاتی ہوں گی۔ لیکن اب تو صفحہ ہستی سے قریباً بالکل ناپید ہو گئیں۔ یہ جو پیسے پیسے کی یوحنا اور متی رسول کی انجیلیں فروخت ہو رہی ہیں۔ وہ انجیل نہیں جو آسمان سے آئی تھی بلکہ اس کے ترجمے ہوں گے کیونکہ وہ عبرانی زبان میں تھیں اور یہ ترجمے مختلف زبانوں میں ہیں۔ جب وہ اصل کتاب ہمارے سامنے ہے ہی نہیں تو ہم کیسے معلوم کریں کہ یہ ترجمے اس کے صحیح ہیں یا نہیں۔ بخلاف قرآن کریم کے کہ وہی قرآن اسی زبان میں بعینہٖ موجود ہے۔ جو صاحب قرآن علیہ السلام پر اترا تھا۔ وہ کتابیں تو کیا باقی رہتیں' زبان عبرانی جس میں وہ کتابیں آئی تھیں وہی دنیا سے غائب ہو گئی۔ بلکہ مصر اور شام وغیرہ ممالک جہاں عبرانی زبان بولی جاتی تھی وہاں عربی زبان نے اپنا سکہ جما لیا اور اس قرآن پاک کی بدولت ہر ملک میں عربی زبان کا دور دورہ ہو گیا۔ چنانچہ الحمد للہ ہندوستان میں بھی لاکھوں کی تعداد میں عربی دان موجود ہیں۔ لیکن عبرانی جاننے والا ایک بھی نہیں ہے حتیٰ کہ مشن اسکولوں میں انجیل تو پڑھائی جاتی ہے مگر افسوس کہ عبرانی اور سریانی زبانیں وہاں بھی غائب ہیں یہ سب قرآن پاک اور صاحب لولاک کی برکت ہے۔ حیرت یہ ہے کہ قرآن پاک کے الفاظ محفوظ اس کے پڑھنے کے طریقے۔ یعنی قرأت (تجوید) محفوظ کہ س' ص' ت' ط' ک' ق' ذ' ز' ض' ظ' مد' شد وغیرہ کس طرح ادا کئے جائیں۔ طریقہ تحریر بھی محفوظ ہے۔ یعنی جس طرح کہ صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم سے تحریر بھی منقول ہے۔ اس کے خلاف قرآن پاک نہیں لکھ سکتے۔ بسم اللہ کا سین لمبا اور میم گول لکھا جاتا ہے کہ کسی قرآن پاک میں سین چھوٹا کر کے نہ لکھا جائے۔ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ لکھنے میں اَلِاسْمُ آتا ہے جیسا کلمات نحوی میں الاسم آتا ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ

قرآن پاک کو عربی خط میں لکھا جائے' اردو خط یا نستعلیق نہ لکھا جائے۔ بعض بعض کلمات نحوی قاعدے کے خلاف معلوم ہوتے ہیں لیکن وہ پڑھے ویسے ہی جاتے ہیں جیسے کہ ثابت ہو چکے۔ مثلاً عَلَیۡهُ اللهَ مَا اَنۡسَانِیۡهُ لَنَسۡفَعًا وغیرہ کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ سبحان اللہ! قرآن پاک ایسا محفوظ ہے کہ اس کے صفات تک محفوظ۔ اگر کوئی منصف ان باتوں کو بنظر انصاف دیکھے تو قرآن پاک کے قبول کرنے میں تامل نہ کرے۔ ان خوبیوں کو دیکھ کر بعض پادریوں کے منہ میں پانی بھر آیا۔

اولاً تو اس کوشش میں رہے کہ انجیل شریف کو محفوظ کتاب ثابت کر سکیں مگر نہ کر سکے۔ بلکہ بہت سے محققین عیسائیوں نے مان لیا کہ انجیل شریف میں لفظی اور معنوی بیشمار تحریفیں ہوئیں اور مان لیا کہ انجیل کی بہت سی آیتیں اور بہت سے باب الحاقی ہیں۔ دیکھو مسٹر ہارن اور ہنری اور اسکاٹ صاحب کی تفاسیر اور دیکھو مباحثہ دینی مطبوعہ اکبر آباد مصنفہ پادری فنڈر وغیرہ بعض عیسائی پادریوں نے یہ کوشش کی کہ قرآن پاک کو محرف ثابت کریں۔ چنانچہ عبدالمسیح اور ماسٹر رام چندر اور پادری عماء الدین نے اس بارے میں رسالے لکھ ڈالے۔ یہ لوگ جس قدر اعتراض کر سکتے ہیں ہم ان کو علیحدہ علیحدہ سوال جواب کی شکل میں بیان کرتے ہیں تا کہ مسلمان ان سے واقف ہوں۔

(۱) سوال: حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جب قرآن کا نسخہ تیار کیا تو پچھلے نسخوں کو جلوا دیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قرآن وہ نہیں ہے جو آسمان سے آیا تھا۔ بلکہ وہ جلایا جا چکا۔

جواب: اس کا جواب دوسری فصل میں نہایت تفصیل سے گزر چکا کہ ان نسخوں کو جلوانا اختلاف کو مٹانے کے لئے تھا۔ کیونکہ ان میں قرآن اور تفسیری عبارات مخلوط تھیں۔ آیات کو لے لیا گیا۔ اگر وہ نسخے باقی رہتے تو آئندہ بڑا اختلاف پیدا ہو جاتا۔ اس تفصیل کو پڑھنے کے بعد معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ اعتراض محض لغو ہے اور دھوکہ دینے کے لئے ہے۔

(۲) سوال: تفسیر اتقان اور بخاری شریف جلد دوم باب جمع قرآن میں ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے کہ میں نے لَقَدْ جَآءَ کُمْ رَسُوْلٌ والی آیت تمام جگہ تلاش کی مگر کہیں نہ ملی بجز ابوخزیمہ انصاری کے کہ ان کے پاس یہ لکھی ہوئی موجود تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اور آیتیں بھی اس طرح گم ہوگئی ہوں گی۔ نیز حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک آیت لکھی ہوئی ہمارے پاس موجود تھی جسے بکری کھا گئی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اور آیتیں بھی اسی طرح برباد ہوگئی ہوں گی۔

جواب: اگر ایسی دو چار سو روایتیں جمع کر لی جائیں اور وہ روایتیں قابل قبول بھی ہوں اور کوئی بکری پورا قرآن بھی کھا گئی ہو تب بھی اصل قرآن کا ایک لفظ بھی ضائع نہیں ہوسکتا۔ یہ تو جب ہوتا جب قرآن پاک کا دارومدار توریت انجیل کی طرح فقط دو چار نسخوں پر ہوتا۔ یہ تو مسلمانوں کے سینوں میں موجود تھا۔ کاغذ کو بکری اور گائے بھینس کھا سکتی ہیں۔ حافظ کے سینے کو تو قبر کی مٹی بھی نہیں کھاتی۔ اسے کون کھائے گا۔ جناب وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا زمانہ تھا۔ اگر آج بھی دنیا سے قرآن پاک کے سارے نسخے ناپید کر دیئے جائیں تو ہندوستان کے کسی معمولی گاؤں کا ایک چھوٹا حافظ بچہ بھی قرآن پاک بعینہٖ لکھوا سکتا ہے۔

(۳) سوال: مسلمان خود مانتے ہیں کہ قرآن پاک کی بہت سی آیتیں منسوخ ہیں کہ سورۃ یٰسٓ سورۃ بقرہ کے برابر تھی لیکن نسخ وغیرہ ہو کر کٹ کٹا کر اتنی باقی رہی۔ معلوم ہوا کہ یہ قرآن بعینہٖ وہ نہیں ہے کہ جو آسمان سے آیا تھا بلکہ اس میں بہت سی تبدیلی ہو چکی ہے۔

جواب: تحریف کے معنی یہ ہیں کہ کتاب والے کی غیر موجودگی میں اس کی بغیر مرضی اس کی کتاب میں کمی یا زیادتی کر دی جائے۔ لیکن اگر صاحب کتاب ہی اپنی مرضی سے اپنی کتاب میں کچھ کمی بیشی کرے تو اس کو کوئی بیوقوف بھی تحریف نہ کہے گا۔ ایک طبیب نسخہ لکھتا ہے۔ بیمار اپنی طرف سے اس میں دوائیں گھٹاتا بڑھاتا ہے تو وہ

مریض یقیناً مجرم ہے لیکن اگر طبیب ہی مریض کی حالت میں تبدیلی کی بناء پر اپنے نسخے میں کچھ تبدیلی کرتا ہے تو یہ طبیب کی قابلیت اور نسخہ کے مکمل ہونے کی دلیل ہے نہ کہ نسخے کی تحریف۔ یہی قرآن پاک میں ہوا کہ بعض سورتوں میں حالات کے موافق خود قرآن بھیجنے والے خدا کی طرف سے ہی احکام بدلے گئے۔ نسخ کی پوری تحقیق ہم ان شاء اللہ تعالیٰ اس آیت کے ماتحت لکھیں گے کہ مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ (البقرہ:۱۰۶) انتظار کریں۔

(۴) سوال: مسلمانوں کی بعض جماعتیں (جیسے کہ شیعہ) کہتی ہیں کہ قرآن میں سے دس پارے کم کر دیئے گئے اور اس قرآن میں سورہ حسنین سورہ علی اور سورہ فاطمہ بھی تھیں۔ پتہ نہیں لگتا کہ وہ کہاں گئیں۔ پھر آپ کس منہ سے کہتے ہیں کہ قرآن پاک محفوظ ہے۔

جواب: کسی بیوقوف شیعہ نے گپ ہانکی ہوگی۔ محققین شیعہ تو بڑے شد و مد کے ساتھ اس سے اپنی براءت ثابت کرتے ہیں۔ مثلاً ملا صادق شرح کلینی میں، محمد ابن حسن آملی، شیخ صدوق ابو جعفر محمد بن علی بابویہ وغیرہ اور کیوں ثابت نہ کریں، اس لئے کہ اس عقیدے سے تو اہل بیت عظام کے اسلام کی ہی خیر نہ رہے گی۔ کیونکہ پھر یہ سوال پیدا ہوگا کہ اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم نے اس محرف قرآن کو اپنی نمازوں میں کیوں پڑھا اور اس سے احکام کیوں جاری فرمائے اور قرآن پاک کو تحریف ہوتا ہوا دیکھ کر خاموشی کیوں اختیار کی۔ کیوں نہ سر بکف ہو کر میدان میں نکلے اور قرآن پاک کی حفاظت فرمائی۔ اگر وہ اس کام کو کرتے تو تمام مسلمان ان کی امداد کرتے۔ اگر نہ بھی کرتے تو خدا تو امداد کرتا اور خدا بھی امداد نہ کرتا اور جان جاتی تو شہید ہوتے۔ جب مسئلہ خلافت کے لئے امیر معاویہ اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہما سے جنگ ہو سکتی تھی تو حفاظت قرآن کے لئے خلفائے ثلاثہ سے بھی جنگ ہو سکتی تھی۔ اور اگر کچھ بھی نہ ہوتا تو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا زمانہ خلافت سب کے بعد تھا۔ اس زمانہ میں خلفائے ثلاثہ پردہ فرما چکے تھے۔ کسی کا خوف نہ تھا تو اصلاح فرمانی ضروری تھی۔ شہید کربلا، سید الشہداء امام حسین رضی اللہ عنہ جہاں یزید کی بیعت

کے مقابلہ میں جان دے سکتے تھے وہی شہباز اسلام پروانہ شمع رسالت رضی اللہ عنہ اس مسئلہ حفاظت قرآن پر بھی اپنی جان قربان کر سکتے تھے۔ ان تمام حضرات کا بلا اعتراض قرآن پاک کو قبول فرمالینا اس کی صحت کی کھلی ہوئی دلیل ہے۔ کون ایسا بے وقوف شیعہ ہوگا جو کہ اپنے ائمہ دین پر اس قدر اعتراض گوارا کر کے قرآن پاک کی تحریف کا قائل ہو گا۔ اس کی زیادہ تحقیق منظور ہو تو تفسیر فتح المنان کا مطالعہ کریں باقی اور واہیات اعتراض جو کئے جاتے ہیں مثلاً اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ (فاتحہ:۵) پر۔ یا قرآن پاک میں انبیاء کرام کے قصوں کے بار بار آنے پر۔ چونکہ ان کا تعلق حفاظت قرآن سے نہیں اس لئے ہم ان کو یہاں بیان نہیں کرتے بلکہ اس آیت کے ماتحت بیان کریں گے۔ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا (البقرہ:۲۳)۔ اس کا انتظار کریں۔

تتمۃ بحث

قرآن پاک کا طریقہ تحریر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے چنانچہ خرپوتی شریف قصیدہ بردہ میں کتب معتبرہ سے نقل کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو جو کاتب وحی تھے قلم کا ہاتھ میں لینا دوات کا موقعہ پر رکھنا۔ ب کو سیدھا کرنا۔ سین کو متفرق کر کے لکھنا م کو ٹیڑھا نہ کرنا وغیرہ سکھاتے تھے۔ اس لئے قرآن پاک کی تحریر اس کی تلاوت ہر ایک میں سنت کی اتباع لازم ہے۔

(پانچویں فصل)

قرآن پاک کے فضائل وفوائد

انسان میں کیا طاقت ہے جو رب کے کلام کے فضائل اور اس کے فوائد کو پورے طور پر بیان کر سکے۔ مسلمانوں کی واقفیت کے لئے چند باتیں اس کے فضائل کے متعلق اور چند فائدے بیان کئے جاتے ہیں۔ کلام کی عظمت کلام کرنے والے کی عظمت سے

ہوتی ہے۔ ایک بات فقیر بے نوا کے منہ سے نکلتی ہے۔ اس کی طرف کوئی دھیان بھی نہیں دیتا اور ایک بات کسی بادشاہ یا حکیم کے منہ سے نکلتی ہے۔ تو اس کو دنیا سے شائع کیا جاتا ہے۔ اخباروں اور رسالوں میں اس کی اشاعت ہوتی ہے غرض یہ ہے کہ کلام کی عظمت کا پتہ کلام والے کی عظمت سے لگتا ہے۔ اسی قاعدے کی بنا پر اندازہ لگالو کہ قرآن پاک ایسا معظم کلام ہے کہ اس کے مثل کسی کا کلام نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ خالق کا کلام ہے مثل مشہور ہے۔ کَلَامُ الْمَلِكِ مَلِكُ الْکَلَامِ یعنی بادشاہ کا کلام کلاموں کا بادشاہ ہے۔

اس کلام ربانی میں سارے علوم اور ساری حکمتیں موجود ہیں جس میں سے ہر شخص اپنی لیاقت کے موافق حاصل کرتا ہے۔ اس کا پتہ عقل سے لگتا ہے اور تفسیریں دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جس مفسر میں جیسی قابلیت ہے اسی قسم کے وہ بیش بہا موتی اس قرآن سے نکالتا ہے۔ منطقی مفسر کی تفسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم میں از اول تا آخر منطق ہی منطق ہے۔ نحوی اور صرفی مفسر کی تفسیر سے پتہ چلتا ہے کہ اس میں صرف اور نحو ہی ہے۔ فصیح اور بلیغ مفسر کی تفسیر سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن کریم میں فصاحت و بلاغت کا دریا موجیں مار رہا ہے صوفیاء کرام کی تفسیروں سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن عظیم میں علوم باطنی کے بیش قیمت موتی بھرے ہوئے ہیں۔

اس سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ قرآن میں سب کچھ ہے۔ لیکن جیسا کہ اس کا شناور ویسی اس کی تحصیل۔ پھر جہاں تک سمجھنے والے کی سمجھ کی پہنچ وہاں تک اس کی تحقیق۔ اس کی مثال یوں سمجھو کہ ایک جہاز سواریوں سے بھرا ہوا سمندر کے سفر سے آ کر کنارے لگا۔ اس جہاز میں کپتان سے لے کر مسافروں تک ہر قسم کے لوگوں نے سفر کیا۔ لیکن اگر کسی مسافر سے سمندر کے کچھ حالات دریافت کئے جائیں تو وہ کچھ نہ بتا سکے گا کیونکہ اس کی نظر فقط پانی کی ظاہری سطح پر تھی اور اگر خلاصی سے کچھ تحقیق کی جائے وہ وہاں کے حالات کا کچھ پتہ دے گا اور اگر کپتان سے معلومات حاصل کی جائیں تو وہ اول سے آخر تک کے سمندر کے تقریباً سارے اندرونی حالات بیان کر سکے گا کہ فلاں جگہ اس کی

گہرائی اتنے میل تھی اور فلاں مقام پر پانی میں اس قسم کا پہاڑ تھا۔ میں اپنے جہاز کو اس طرح سے بچا کے لایا وغیرہ وغیرہ۔

اسی طرح قرآن کریم ہم بھی پڑھتے ہیں اور امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ بھی پڑھتے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اسی قرآن کی تلاوت کرتے تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی قرآن کو پڑھا۔ کتاب تو ایک ہی ہے لیکن پڑھنے والوں کے ذہن کی رسائی کی انتہائیں الگ الگ۔ ہماری نگاہ فقط ظاہری الفاظ تک ہی بمشکل پہنچتی ہے۔ یہ حضرات بقدر وسعت علمی اس کی تہہ تک پہنچ کر مسائل اور فوائد کو نکال لیتے ہیں بیہقی شریف میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ السلام سے بارہ سال میں سورۃ بقرہ پڑھی۔ اب بتاؤ پڑھنے والے فاروق اعظم جیسے صاحب کمال' پڑھانے والے خود صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم اور بارہ سال کی مدت بتاؤ کہ آقا نے کیا کیا نہ دیا ہوگا اور ان کے نیاز مند خادم عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کیا کیا نہ لیا ہوگا۔

پھر ذرا اس پر بھی غور کرتے چلو کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں: اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ (الرحمن: ۱،۲) اپنے محبوب علیہ السلام کو رحمن نے قرآن سکھایا ہے۔ حضرت جبریل علیہ السلام تو فقط پہنچانے والے ہیں۔ سوچو تو کہ سکھانے والا الرحمن اور سیکھنے والا سید الانس والجان اور کیا سکھایا۔ قرآن نہ معلوم رب نے کیا دیا اور محبوب علیہ السلام نے کیا لیا۔ اسی لئے تفسیر روح البیان شریف نے فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت جبریل قرآن کی آیت الم لے کر آئے۔ عرض کیا۔ الف۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: ''میں نے جان لیا۔'' عرض کیا: لام تو فرمایا: میں نے جان لیا۔ عرض کیا: میم۔ تو فرمایا: ''اس کا کرم ہے۔'' جبریل امین کہنے لگے کہ حضور آپ نے کیا سمجھا اور کیا جانا۔ میں تو کچھ بھی نہ سمجھا۔ فرمایا: یہ میرے اور رب کے درمیان راز ہیں۔

میان خالق و محبوب رمزے است
کراماً کاتبین راہم خبر نیست

ہمارے اس عرض کرنے کا مدعا یہ ہے کہ کوئی بڑے سے بڑا عالم اور بڑے سے بڑا زبان دان قرآن پاک کے متعلق یہ خیال نہ کرے کہ میں نے اس کی حقیقت کو پالیا۔ قرآن پاک ایک سمندر ناپید کنار ہے۔ جتنا جس کا برتن' اتنا وہاں سے وہ پانی لے سکتا ہے۔ لیکن کوئی نہیں کہہ سکتا کہ میرے کوزے میں سارا سمندر آ گیا۔ غرض کہ قرآن کریم حق تعالیٰ کی عظمت کا مظہر ہے۔ جیسے اس کی عظمت کی انتہا نہیں ویسے ہی اس کی عظمت بے انتہا ہے۔ شعر ؎

کلام اللہ بھی نام خدا کیا راحت جان ہے
عصائے پیر ہے تیغ جواں ہے حرز طفلاں ہے

خیال رہے کہ تمام انبیاء کرام کے معجزے قصے بن کر رہ گئے۔ کوئی معجزہ نہیں جو آج دیکھا جائے مگر حضور کے بہت سے معجزات تا قیامت رہیں گے جنہیں دنیا آنکھوں سے دیکھے گی۔ قرآن کریم میں چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ آیات ہیں ہر آیت حضور کا معجزہ ہے کہ جن کی مثل بن نہ سکا۔ ان کے پڑھنے سے دل نہیں اکتاتا۔ ایسے ہی حضور کی محبوبیت جو قریباً ہر دل میں آج بھی موجود ہے۔ ہم نے حضور کے نام پر سکھوں' ہندوؤں کو روتے دیکھا۔ ایسے آپ کا بلند ذکر ہر مجلس ہر جگہ ہر زبان پر آپ کا چرچا ہے یہ بھی زندہ جاوید معجزات ہیں جنہیں دنیا دیکھتی ہے اور دیکھتی رہے گی۔ **فوائد:** قرآن کریم کے فوائد کا احاطہ کسی کی زبان' کسی کا قلم کسی کا دل و دماغ نہیں کرسکتا۔ بس یوں سمجھو کہ یہ عالم کی تمام روحانی' جسمانی' ظاہری' باطنی ضرورتوں کا پورا کرنے والا ہے۔ اگر ہم حدیث وفقہ کی روشنی میں قرآن کریم کے صحیح معنوں میں عامل بن جائیں تو ہم کبھی بھی کسی حاجت میں کسی قسم کی امداد نہ لینی پڑے ہم اس کے متعلق دو طرح گفتگو کرتے ہیں۔ ایک عقلی اور ایک نقلی۔ اگرچہ مسلمان کے لئے نقلی دلائل کے ہوتے ہوئے عقلی دلائل کی کوئی ضرورت نہیں لیکن زمانہ موجودہ میں نئی روشنی کے دلدادوں کا اعتماد اپنی لولی لنگڑی عقل پر زیادہ ہے۔ یعنی گلاب کی خوشبو کے مقابلہ میں گیندے کی بدبو سے زیادہ مانوس ہو چکے

ہیں اس لئے اولاً ہم ان کی تواضع کے لئے عقلی فوائد بیان کرتے ہیں۔

(۱) سخی دو قسم کے ہیں۔ایک وہ جو فقیر کو بلا کر دیں۔دوسرے وہ جو فقیر کے گھر آ کر دیں۔کنواں بلا کر دیتا ہے۔دریا آ کر دیتا ہے اور سمندر بادل بنا کر عالم پر پانی برسا دیتا ہے۔کعبہ معظّمہ بھی سخی اور قرآن کریم بھی مگر فرق یہ ہے کہ کعبہ معظمہ کے پاس بھکاری جائیں اور جا کر فیض لے آئیں۔قرآن کریم کی یہ شان ہے کہ مشرق و مغرب میں گھر گھر پہنچا اور اپنا فیض جا کر دیا اور جو لوگ کہ بالکل ان پڑھ تھے ان کے لئے علماء مثل بادل کے بنا بنا کر اپنی رحمتوں کی بارش ان پر بھی برسادی ؎

رہے اس سے محروم آبی نہ خاکی
ہری ہو گئی دم میں کھیتی خدا کی

(۲) آفتاب وہ نور ہے جو ایک وقت میں آدھی زمین کو چمکاتا ہے اور پھر ظاہر ہو جاتا ہے اور اپنے سامنے والے کو چمکاتا ہے اور پھر بادل کی وجہ سے اس کی روشنی پھیکی پڑ جاتی ہے۔کبھی اس کو گرہن بھی لگتا ہے۔دن بھر میں تین پلٹے کھاتا ہے صبح اور شام کو ہلکا اور دوپہر کو تیز۔لیکن قرآن کریم آسمان ہدایت کا وہ چمکتا دمکتا سورج ہے جو بیک وقت سارے عالم کو چمکا رہا ہے۔فقط ظاہر کو نہیں بلکہ دل و دماغ کو بھی منور کر رہا ہے۔نیز اس کی روشنی جیسے میدانوں پر پڑ رہی ہے اس طرح پہاڑوں میں غاروں میں اور تہہ خانوں میں غرض کہ ہر جگہ پہنچ رہی ہے۔نہ کبھی اس کو گرہن لگے نہ کوئی بادل اس کی روشنی کو ڈھک سکے۔اس کی شعاعیں بڑی تاریک گھٹاؤں کو بھی چیر کر اپنا کام کرتی ہیں۔اسی لئے رب تعالیٰ نے فرمایا: وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا (النساء:۱۷۴)

(۳) آج ہم لوگوں نے اپنی بے علمی کی وجہ سے قرآن کریم کے فیوض و برکات کو محدود سمجھ رکھا ہے۔بعض لوگوں نے تو اپنے عمل سے ثابت کر دیا ہے کہ قرآن کریم فقط اس لئے آیا ہے کہ بیماری میں اسے پڑھ کر دم کر لو اور گھر میں برکت کے واسطے رکھ لو۔جب کوئی مرنے لگے تو اس پر یٰسین پڑھ دو اور بعد موت اس کو پڑھوا کر ایصال ثواب کرو

اور باقی رہا عمل، اس کے لئے قرآن کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس کے لئے فقط انگریزوں کے بنائے ہوئے قوانین ہیں۔ چنانچہ بعض جگہ کے مسلمانوں نے اپنی خوشی سے اسلامی قوانین کے مقابلہ میں ہندوؤں یا عیسائیوں کے قوانین کو اپنے پر لازم کرلیا جیسے کہ پنجاب کے زمیندار کاٹھیاواڑ کے عام مسلمان کہ انہوں نے میراث سے اپنی لڑکیوں کو قانونی طور پر محروم کر دیا اور اپنی صورت سیرت طریق زندگانی' لباس وغیرہ میں یکدم غیروں سے مل گئے اور بعض نے یہ کہنا شروع کیا کہ قرآن فقط عمل کے لئے آیا ہے۔ اس کی تلاوت کرنا' اس سے دم کرنا تعویذ کرنا یا اس سے ایصال ثواب کرنا اس کے نزول کی حکمت کے خلاف ہے۔ قرآن عمل کے لئے اترا ہے نہ کہ طباعت' اور چھو منتر کے لئے۔ وہ کہتے ہیں کہ قرآن پاک ایک نسخہ ہے' نسخے کے فقط پڑھتے رہنے سے شفا نہیں ملتی بلکہ اس کو استعمال کرنا چاہیے۔ یہ وہ خیال فاسد ہے کہ جو پڑھے لکھوں کے دماغ میں بھی گھوم رہا ہے۔ مسٹر عنایت اللہ مشرقی اور ابوالاعلیٰ مودودی اور عوام دیوبندی اسی چکر میں ہیں مگر خیر سے عمل وہاں بھی غائب ہے۔ عمل کا فقط نام ہی ہے یا اگر عمل ہے تو ایسا اندھا جیسا کہ مشرقی نے اپنے خاکساروں سے کرا کر صدہا کو موت کے گھاٹ اتروا دیا اور خود معافی مانگ خیریت سے گھر آ بیٹھے۔

لیکن دوستو! ان لوگوں میں افراط ہے اور پہلے لوگوں میں تفریط تھی۔ جس طرح سے کہ ہم اپنے مال اور بدن کے اعضاء سے بہت سے کام لیتے ہیں کہ آنکھ سے دیکھتے بھی ہیں روتے بھی ہیں۔ اس میں سرمہ لگا کر زینت بھی حاصل کرتے ہیں ہاتھ سے پکڑتے بھی ہیں اور مار کو روکتے بھی ہیں۔ زبان سے کھاتے بھی ہیں' بولتے بھی ہیں۔ کھانے کی لذت اور اس کی سردی گرمی بھی محسوس کرتے ہیں اور ایک ہی پھونک سے گرم چائے بھی ٹھنڈی کرتے ہیں۔ سردیوں میں انگلیاں بھی گرم کرتے ہیں۔ آگ جلاتے بھی ہیں اور چراغ بجھاتے بھی ہیں۔ اسی طرح عبادات میں صدہا ایسی مصلحتیں ہیں۔ روزہ عبادت بھی ہے قسم وغیرہ کا کفارہ بھی جو غریب نکاح نہ کرسکے اس کے لئے شہوت

توڑنے کا ذریعہ بھی۔ اسی طرح قرآن کریم صد ہا دینی اور دنیوی فوائد لے کر اترا۔ نماز قرآن کے ذریعے سے ادا ہو' کھانا وغیرہ قرآن پڑھ کر شروع کرو۔ شاہی قوانین قرآن سے حاصل کرو۔ بیمار پر قرآن پڑھ کر دم کر دیا تعویذ لکھ کر گلے میں ڈالو۔ ثواب کے لئے اس کو پڑھو' عمل اس پر کرو۔ غرض کہ یہ قرآن بادشاہ کے لئے قانون' غازی کے لئے تلوار' بیمار کے لئے شفا' غریب کا سہارا' کمزور کا عصاء' بچوں کا تعویذ' بے ایمان کے لئے ہدایت' قلب مردہ کی زندگی' قلب غافل کے لئے تنبیہ' گمراہوں کے لئے مشعل راہ' زنگ آلود قلب کی صیقل ہے۔

اگر قرآن کریم صرف احکام کے لئے ہوتا اور دیگر مقاصد اس سے حاصل نہ ہوتے تو اس میں فقط احکام کی آیتیں ہوتیں۔ ذات وصفات کی آیتیں متشابہات' انبیائے کرام کے قصے' آیات منسوختہ الاحکام ہرگز نہ ہونی چاہئیں تھیں کیونکہ ان سے احکام حاصل نہیں کئے جاتے۔ اسی طرح سے ان احکام کی آیتیں بھی نہ ہوتیں۔ جن پر عمل ناممکن ہے۔ جیسے کہ نبی کی آواز پر آواز بلند کرنے کی آیتیں یا بارگاہ نبوی میں دعوت کھانے کے آداب یا نبیوں کی بیبیوں سے حرمت نکاح کی آیتیں اور قرآن پاک یہ نہ فرماتا کہ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ (الاسراء: ۸۲) اسی طرح اگر قرآن کریم فقط برکت لینے اور دم درود کے لئے ہوتا تو اس میں احکام کی آیتیں نہ ہونی چاہئیں تھیں۔

نکتہ: یہ جو کہا گیا ہے کہ قرآن ایک نسخہ ہے اور نسخہ کا پڑھنا مفید نہیں ہوتا' یہ مثال غلط ہے۔ بعض چیزوں کے نام میں اور پڑھنے میں تاثیر ہوتی ہے پردیسی آدمی کے پاس گھر سے خط آئے تو فقط پڑھ کر ہی اس کا دل خوش ہو جاتا ہے۔ بیماری ہلکی پڑ جاتی ہے۔ کسی شخص کو مصیبت کی خبر سناؤ فقط سن کر دل کا حال بدل جاتا ہے۔ کسی کو الو گدھا کہہ دو تو آپے سے باہر ہو جاتا ہے۔ کسی کے سامنے کسی کھٹی چیز کا نام لے دو منہ میں پانی بھر آتا ہے۔ اگر روزہ کی حالت میں کسی کا منہ خشک ہو جائے تو اس کو دکھا کر لیموں کاٹو تو اس کی خشکی دور ہو جاتی ہے اور دعا پلائی ہی نہیں جاتی بلکہ کبھی دکھائی سنائی اور سنگھائی بھی

جاتی ہے۔ تو جب مخلوق کے نامہ و پیام میں اور ناموں میں اتنا اثر ہے تو خالق کے پیام میں کس قدر اثر ہونا چاہیے خود غور کرلو۔

اب ہم قرآن پاک کے وہ فوائد بیان کرتے ہیں جو احادیث سے ثابت ہیں۔

(۱) حدیث شریف میں ہے کہ جس گھر میں روزانہ سورہ بقرہ پڑھی جائے وہ گھر شیطان سے محفوظ رہتا ہے۔ لہٰذا جنات کی بیماریوں سے بھی محفوظ رہے گا۔

(۲) قیامت کے دن سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران ان لوگوں پر سایہ کریں گی اور ان کی شفاعت کریں گی۔ جو دنیا میں قرآن پاک کی تلاوت کے عادی تھے۔

(۳) جو شخص آیۃ الکرسی صبح و شام اور سوتے وقت پڑھ لیا کرے تو اس کا گھر ان شاء اللہ آگ کے لگنے اور چوری ہونے سے محفوظ رہے گا۔

(۴) سورہ اخلاص کا ثواب تہائی قرآن کے برابر ہے۔ اسی لئے ختم و فاتحہ میں اس کو تین بار پڑھتے ہیں۔

(۵) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ جو شخص قرآن پاک کا ایک حرف پڑھے اس کو دس نیکیوں کے برابر نیکی ملتی ہے۔ خیال رہے کہ الم ایک حرف نہیں بلکہ الف' لام' میم تین حروف ہیں۔ لہٰذا فقط اتنا پڑھنے سے تیس نیکیاں ملیں گی۔ خیال رہے کہ الم متشابہات میں سے ہے جس کے معنی ہم تو کیا جبریل بھی نہیں جانتے مگر اس کے پڑھنے پر ثواب ہے۔ معلوم ہوا کہ تلاوت قرآن کا ثواب اس کے سمجھنے پر موقوف نہیں بغیر سمجھے تلاوت پر ثواب ہے ولایتی مرکب دوائیں مریض کو شفا دیتی ہیں۔ ان کے اجزاء معلوم ہوں یا نہ ہوں۔ یوں ہی قرآن کریم شفا اور ثواب ہے معنی معلوم ہوں یا نہ ہوں۔ دیکھو بھینس دودھ کے لئے' بیل کھیتی باری کے لئے' گھوڑے' اونٹ سواری اور بوجھ اٹھانے کے لئے پالے جاتے ہیں مگر طوطی مینا صرف اس لئے پالے جاتے ہیں کہ وہ ہماری سی بولی بولتے ہیں اگرچہ بغیر سمجھے سہی۔ مینا طوطی تمہاری بولی بولیں تو تمہیں پیاری لگے' اگر تم جناب مصطفیٰ کی بولی بولو تو رب کو پیارے اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو کہتے ہیں کہ بغیر معنی

سمجھے قرآن بیکار ہے اس کا کوئی ثواب نہیں۔

(۶) جو شخص قرآن پڑھے اور اس پر عمل کرے تو قیامت کے دن اس کے ماں باپ کو ایسا تاج پہنایا جائے گا جس کی چمک آفتاب سے بڑھ کر ہو گی۔

(۷) قرآن پاک دیکھ کر پڑھنے میں دوہرا ثواب ملتا ہے اور بغیر دیکھ کر پڑھنے میں ایک ثواب۔

نوٹ: چند چیزوں کا دیکھنا عبادت ہے۔ قرآن' کعبہ معظّمہ ماں باپ کا چہرہ محبت سے اور عالم دین کی شکل دیکھنا عقیدت سے وغیرہ وغیرہ۔

(۸) قرآن پاک کی تلاوت اور موت کی یاد دل کو اس طرح صاف کر دیتی ہے جیسے کہ زنگ آلود لوہے کو صیقل۔

(۹) جو شخص کہ قرآن پاک کی تلاوت میں اتنا مشغول ہو کہ کوئی دعا نہ مانگ سکے تو خداوند تعالیٰ اس کو مانگنے والوں سے زیادہ دیتا ہے۔

(۱۰) جو شخص ہر رات سورہ واقعہ پڑھا کرے ان شاء اللہ اسے کبھی فاقہ نہ ہو گا۔

(۱۱) سورہ الم تنزیل پڑھنے والا جب قبر میں پہنچتا ہے تو یہ سورۃ اس طرح اس کی شفاعت کرتی ہے کہ اے اللہ اگر میں تیرا کلام ہوں تو اس کو بخش دے ورنہ تو مجھے اپنی کتاب سے نکال دے اور میت کو اس طرح ڈھک لیتی ہے جیسے چڑیا اپنے پروں سے اپنے بچوں کو اور اسے عذاب سے بچاتی ہے۔

(۱۲) جو شخص کہ سورہ یٰسین اول دن میں (دوپہر سے پہلے) پڑھنے کا عادی ہو تو اس کی حاجتیں پوری ہوتی ہیں۔

(۱۳) سورۃ یٰسین شریف پڑھنے سے تمام گناہ معاف ہوتے ہیں اور مشکلیں آسان ہوتی ہیں۔ لہٰذا اس کو بیماروں پر پڑھو۔

(۱۴) سوتے وقت قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ (الکفرون:۱) پڑھنے والا ان شاء اللہ تعالیٰ کفر سے محفوظ رہے گا۔ یعنی اس کا خاتمہ بالخیر ہو گا۔

(۱۵) سورہ فلق اور سورۃ الناس پڑھنے سے آندھی اور اندھیری دور ہوتی ہے اور اس کا پابندی سے پڑھنے والا ان شاء اللہ جادو سے محفوظ رہے گا۔

(۱۶) سورۃ فاتحہ جسمانی اور روحانی بیماروں کی دوا ہے۔ (ہر سورت کے فوائد ہم ان شاء اللہ تعالیٰ اس سورۃ کے ساتھ بھی لکھیں گے)۔

واضح رہے کہ قرآن کریم کے فائدے فقط پڑھنے والے پر ہی ختم نہیں ہو جاتے بلکہ دوسروں تک بھی پہنچ جاتے ہیں۔ مثلاً جہاں تک اس کی آواز پہنچے وہاں تک ملائکہ رحمت کا اجتماع ہوتا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ حضرت اسید ابن حضیر رضی اللہ عنہ ایک شب تلاوت قرآن کر رہے تھے اور ان کے پاس ایک گھوڑا بندھا تھا۔ وہ اچانک اچھلنے کودنے لگا۔ آپ باہر تشریف لائے اور نگاہ اٹھا کر دیکھا ایک سائبان تھا جس میں قندیلیں روشن تھیں۔ اس سے گھوڑا ڈر کر کودتا تھا۔ صبح کو آ کر بارگاہ نبوت میں یہ واقعہ عرض کیا۔ ارشاد ہوا کہ رحمت کے فرشتے تھے جو تمہارا قرآن پاک سننے آئے تھے۔

اسی طرح جہاں تک اس کی آواز پہنچے وہاں تک کی ہر ایک چیز درخت' گھاس' بیل' بوٹے حتیٰ کہ در و دیوار اس کے ایمان کی قیامت میں ان شاء اللہ تعالیٰ گواہی دیں گے۔

اسی طرح اگر تلاوت کرنے والا کچھ آیتیں پڑھ کر بیمار پر دم کرے تو ان شاء اللہ تعالیٰ صحت ہوگی۔ دیکھو اگر تم کسی باغ کے پاس سے گزرو تو وہاں کے پھولوں کی مہک دور تک محسوس ہوتی ہے جس سے دماغ معطر اور دل خوش ہو جاتا ہے۔ آخر یہ کیوں؟ صرف اس لئے کہ ہوا پھولوں سے لگ کر ہر چہار طرف پھیلتی ہے۔ اس ہوا کی تاثیر ہوتی ہے کہ گزرنے والوں کو خوش کر دیتی ہے۔ تو جس زبان سے قرآن پاک پڑھا جائے اس سے لگ کر جو پھونک نکلے وہ کیوں نہ دافع ہر بلا ہو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سانپ کے کاٹے ہوؤں کا سورۃ فاتحہ دم کر کے علاج کیا ہے۔ اسی طرح قرآن کریم کی آیتوں کو لکھ کر تعویذی شکل میں بیمار کے ساتھ رکھا جائے تو اس کو شفا ہوتی ہے۔ آنکھ میں سرمہ لگانے سے نظر قائم رہتی ہے جب یہ معمولی دوائیں کچھ دیر ہمارے ساتھ رہ کر اپنا اثر

دکھاویں تو قرآن حکیم کی آیتیں اس سے کہیں زیادہ شفا بخش کیوں نہ ثابت ہوں گی؟

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قرآن کریم سے' قرآن شریف کی آیتوں سے بیماروں کا علاج کیا ہے۔ جس تعویذ گنڈے اور دم سے حدیث پاک میں منع فرمایا گیا ہے وہ زمانہ جاہلیت کے شرکیہ منتر تھے۔ جن میں بتوں سے مدد مانگنے کے الفاظ تھے' قرآن پاک کی آیتوں سے ان کو کیا نسبت؟ اسی طرح اگر قرآن پاک کی تلاوت کر کے کسی کو ثواب بخش دیا جائے تو وہ ضرور اس کو پہنچے گا۔ اگر میں اپنا کمایا ہوا روپیہ کسی کو دوں تو دے سکتا ہوں۔ اسی طرح اپنے کمائے ہوئے ثواب کو دینے کا اختیار بھی رکھتا ہوں۔ ہاں فرق یہ کہ اگر مال چند اشخاص پر تقسیم کیا جائے تو بٹ کر تھوڑا تھوڑا ملے گا اور دینے والے کے پاس نہ رہے گا۔ اگر ثواب صدہا آدمیوں کو بخش دیا جائے تو سب کو پورا پورا ملے گا اور بخشنے والے کو ان سب کے برابر جیسے کوئی عالم یا حافظ صدہا آدمیوں کو عالم یا حافظ بنائے تو وہ علم تقسیم ہو کر نہ ملے گا۔ بلکہ سب کو برابر ملے گا اور پڑھانے والے کو علم میں اور ترقی ہوگی ایصال ثواب کی پوری بحث اور اس کے متعلق تمام اعتراضات اور جوابات ان شاء اللہ تعالیٰ ہم اس آیت کے ماتحت لکھیں گے۔ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ

(البقرہ:۲۸۶)

(چھٹی فصل)

تلاوتِ قرآن

بزرگان دین کی عادتیں تلاوت قرآن پاک کے متعلق جدا گانہ تھیں۔ بعض حضرات تو ایک دن رات میں آٹھ ختم کر لیتے تھے۔ چار دن میں اور چار رات میں بعض حضرات چار' بعض دو' اور بعض ایک اور بعض لوگ دو دن میں ایک ختم اور بعض تین دن میں' بعض پانچ دن میں' بعض سات دن میں' اور سات دن میں ختم کرنا اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول تھا۔ اس میں لوگوں کے حالات مختلف ہیں۔ بعض تو نہایت تیز

پڑھنے کی صورت میں بھی حروف کو ان کے مخرجوں سے ادا کرنے اور صحیح پڑھنے پر قادر ہوتے ہیں اور بعض لوگ اکثر تیز پڑھیں تو صحیح نہیں پڑھ سکتے۔ لہٰذا تلاوت کرنے والوں کو چاہیے کہ صحیح پڑھنے کی کوشش کریں کیونکہ ثواب صحیح پڑھنے میں ہے نہ کہ محض جلدی پڑھنے میں۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس طرح تلاوت فرماتے تھے کہ ایک ایک حرف صاف صاف معلوم ہوتا تھا۔

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے تھے کہ قرآن کریم جب دل میں اترتا ہے۔ تب اس میں جمتا ہے اور نفع دیتا ہے۔ تلاوت کرنے والا جس اطمینان اور سکون کے ساتھ دنیا میں تلاوت کرتا تھا۔ اسی اطمینان کے ساتھ تلاوت کرتا ہوا جنت میں بڑھتا جائے گا اور جہاں تک اس کی تلاوت ختم ہوگی۔ وہاں تک کا سب ملک اس کو دیا جائے گا۔ بلکہ بہتر تو یہ ہے کہ اگر عربی سمجھنے پر قدرت رکھتا ہو تو اس کے معانی اور مضامین پر غور کرتا جائے اور رحمت کی آیت آئے تو خوش ہو اور خدا سے رحمت مانگ لے اور جب عذاب کی آیت آئے تو ڈرے اور اس سے پناہ مانگے۔ نیز کوشش کرے کہ تلاوت کے وقت دل حاضر ہو اور خشوع اور خضوع کے ساتھ پڑھے یہاں تک کہ رقت آجائے اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو جائیں اور اگر معنی نہ سمجھتا ہو تو یہ سمجھ کر تلاوت کرے کہ یہ وہی الفاظ ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی پڑھتے تھے اور حضور کے صحابہ بھی اولیاء اللہ بھی علماء دین بھی۔ جیسے ہلال عید میں تمام انسانوں کی نگاہیں جمع ہو جاتی ہیں۔ ایسے ہی الفاظ قرآن مجید میں سب کی تلاوتیں اور ادائیں جمع ہو جاتی ہیں۔ اگر یہ سمجھ کر تلاوت کی تو ان شاء اللہ بہت لذت آوے گی۔ اگرچہ بے وضو بھی قرآن پڑھنا جائز ہے لیکن مستحب یہ ہے کہ وضو کر کے تلاوت کرے۔ اس میں زیادہ ثواب ہے اور سنت یہ ہے کہ تلاوت پاک جگہ میں ہو مسجد میں ہو تو اور زیادہ بہتر ہے۔ یہ بھی مستحب ہے کہ قبلہ کی طرف منہ کر کے سر جھکا کر اطمینان سے پڑھے اور اگر تلاوت کرتے وقت مسواک وغیرہ سے منہ کو صاف کرے

اور خوشبو بھی لگائے تو بہت ہی اچھا ہے کیونکہ جتنا ادب زیادہ اتنا ہی فیض زیادہ تلاوت سے پہلے اَعُوذُ بِاللہ اور بِسْمِ اللہ بھی پڑھے اور تلاوت کی حالت میں کسی سے بلا ضرورت بات کرنا مکروہ ہے سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما تلاوت کے دوران میں کسی سے کلام نہ فرماتے تھے اور اگر کلام کرنا پڑ جائے تو کلام کے دوران قرآن شریف بند رکھے اور پھر بسم اللہ پڑھ کر شروع کرے۔

مسئلہ: جنبی حیض ونفاس والی عورتوں کا قرآن پاک کو چھونا بھی جائز نہیں۔ اگر چھونا پڑ جائے تو کسی علیحدہ کپڑے سے چھوئیں۔ ادب یہ ہے کہ بے وضو آدمی بھی بغیر کپڑے کے قرآن پاک کو ہاتھ نہ لگائے۔ فرق یہ ہے کہ بے وضو اپنے کرتہ کے دامن سے بھی پکڑ سکتا ہے اور وہ لوگ علیحدہ کپڑے سے پکڑیں، بہتر یہ ہے کہ جس دن قرآن پاک ختم کرے اس دن اپنے گھر والوں دوستوں کو جمع کریں۔ سیدنا حضرت انس رضی اللہ عنہ قرآن کے ختم کے وقت اپنے اہل قرابت کو جمع فرماتے اور دعا کرتے تھے۔

حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ اس وقت رحمت الٰہی نازل ہوتی ہے حدیث شریف میں آیا ہے کہ اس وقت دعا قبول ہوتی ہے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ جو قرآن پاک پڑھ کر حق تعالیٰ کی حمد کرے اور درود پڑھے اور اپنے گناہوں کی معافی مانگے تو رحمت الٰہی اس کو تلاش کرتی ہے۔ تلاوت کرنے والے کو چاہیے کہ قرآن پاک ختم کرتے ہی دوسری بار اس کو شروع کردے۔ یعنی سورۃ فاتحہ پڑھ کر سورہ بقرہ مُفْلِحُوْنَ تک پڑھ لے۔ پھر دعا مانگے۔

مسئلہ: حافظ تراویح میں جب قرآن پاک پڑھے تو ایک بار کسی نہ کسی جگہ بسم اللہ شریف بلند آواز سے ضرور پڑھے کیونکہ یہ بھی قرآن پاک کی آیت ہے اور مستحب یہ ہے کہ ہر نمازی نماز میں جب کوئی سورۃ شروع کرے تو آہستہ سے بسم اللہ پڑھ لیا کرے سوائے سورۃ توبہ کے۔ اس کی پوری بحث تفسیر خزائن العرفان کے مقدمہ میں دیکھو۔

تتمہ: تمہ قرآن پاک کا چھوٹی تقطیع پر یا تعویذی طرح چھاپنا مکروہ ہے۔ چاہیے یہ کہ بڑی تقطیع پر چھاپا جائے۔ حروف خوب کھلے ہوں اور اس کے رکوع اور آیتوں اور منزلوں کو دیدہ زیب بنانا مستحب ہے۔ کیونکہ اس میں قرآن پاک کی عظمت کا اظہار ہے۔ قرآن پاک اتنی جلدی پڑھنا کہ جس سے بجز تَعْلَمُوْنَ اور يَعْلَمُوْنَ کچھ سمجھ میں نہ آئے، یعنی حروف کی ادائیگی پوری طرح نہ ہو، سخت برا ہے۔ حافظوں کو اس کا بہت لحاظ رکھنا چاہیے۔

مسئلہ: جس جگہ سب لوگ اپنے کاروبار میں مشغول ہوں وہاں قرآن پاک بلند آواز سے پڑھنا منع ہے یا تو تنہائی میں بلند پڑھو یا وہاں جہاں کم سے کم ایک آدمی سننے والا ہو کیونکہ اس کا سننا فرض کفایہ ہے۔

مسئلہ: چند شخصوں کا بیک وقت بلند آواز سے تلاوت کرنا منع ہے۔ یا تو ایک پڑھے تو باقی سب سنیں یا بہت آہستہ پڑھیں تیجے اور ختم والوں کو اس کا خیال رکھنا چاہیے۔ مکتبوں اور مدرسوں میں جو بچے مل کر پڑھتے ہیں، یہ مجبوری کی وجہ سے ہے۔

مسئلہ: قرآن پاک کو خلاف ترتیب الٹا پڑھنا ممنوع ہے۔ ہاں اگر خارج نماز درمیان میں پڑھا جائے جس سے الگ الگ قرآتیں معلوم ہوں تو کوئی مضائقہ نہیں (شامی) اور ترتیب کے مطابق جگہ جگہ سے آیتوں کا پڑھنا جائز ہے۔ جیسا کہ فاتحہ اور ختم کے وقت کیا جاتا ہے۔

(ساتویں فصل)

تفسیر کے معنی اور اس کی تحقیق

لفظ تفسیر فسر سے مشتق ہے جس کے معنی کھولنا محاورہ میں تفسیر یہ ہے کہ کلام کرنے والے کا مقصد اس طرح بیان کرنا جس میں کوئی شک وشبہ باقی نہ رہے اور مفسرین کی اصطلاح میں تفسیر یہ ہے کہ قرآن پاک کے وہ احوال بیان کرنا جس میں عقل کو دخل

نہیں بلکہ نقل کی ضرورت ہو جیسے آیات کا شان نزول یا ان کا ناسخ اور منسوخ ہونا وغیرہ تفسیر بالرائے حرام ہے کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص قرآن میں اپنی رائے سے کچھ کہے اور ٹھیک بھی کہہ جائے جب بھی خطا کار ہے۔ تفسیر قرآن کے چند مرتبے ہیں۔

(۱) تفسیر قرآن بالقرآن' یہ سب سے مقدم ہے۔

(۲) تفسیر قرآن بالحدیث کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صاحب قرآن ہیں۔ ان کی تفسیر نہایت صحیح اور اعلیٰ۔

(۳) قرآن کی تفسیر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خصوصاً فقہاء صحابہ اور خلفائے راشدین کے اقوال سے ہو۔

(۴) تفسیر قرآن تابعین یا تبع تابعین کے قول سے۔ اگر روایت سے ہے تو معتبر۔ اس کی زائد تحقیق کے لئے ہماری ''جاء الحق'' یا کتاب ''اعلائے کلمۃ اللہ'' مصنف قطب الوقت حضرت شاہ قبلہ مہر علی شاہ صاحب کا مطالعہ کرو۔ ''لفظ تاویل'' اول سے مشتق ہے۔ اس کے معنی ہیں رجوع کرنا۔ اصطلاح میں ''تاویل'' یہ ہے کہ کسی کلام میں چند احتمال ہوں۔ ان میں سے کسی احتمال کو قرینوں سے اور علمی دلائل سے ترجیح دینا یا کلام میں علمی نکات وغیرہ بیان کرنا۔ اس کے لئے نقل کی ضرورت نہیں بلکہ ہر عالم اپنی قوت علمی سے قرآن پاک میں سے نکات وغیرہ نکال سکتا ہے مگر شرط یہ ہے کہ خلاف شریعت ہرگز نہ ہو۔ اسی لئے مفسرین اپنی قوت علمی سے قرآن پاک میں بڑے بڑے نکات بیان فرماتے ہیں اور ہر ایک کے لئے نقل پیش نہیں فرماتے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم شریف باب ہشتم میں فرمایا کہ قرآن پاک کے ایک ظاہری معنی ہیں اور ایک باطنی۔ ظاہری معنی کی تحقیق علمائے شریعت فرماتے ہیں اور باطنی کی صوفیائے کرام۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر میں چاہوں تو سورہ فاتحہ کی تفسیر سے ستر اونٹ

بھر دوں مگر یہ باطنی تفسیر ظاہری معنی کے خلاف ہرگز نہ ہوگی۔ ''تحریف'' مشتق ہے ''حرف'' سے۔ ''حرف'' کے معنی ہیں علیحدگی یا کنارہ۔ اصطلاح میں تحریف یہ ہے کہ کلام کا مطلب ایسا بیان کیا جائے جو کلام کرنے والے کے مقصد کے خلاف ہو۔ مفسرین کی اصطلاح میں تحریف دو طرح کی ہے۔ تحریف لفظی اور تحریف معنوی۔ تحریف لفظی یہ ہے کہ قرآن پاک کی عبارت کو دیدہ دانستہ بدل دیا جائے۔ جیسا کہ یہود و نصاریٰ نے اپنی اپنی کتابوں میں کیا۔ تحریف معنوی یہ ہے کہ قرآن پاک کے ایسے معنی اور مطلب بیان کئے جائیں جو کہ اجماع امت یا عقیدہ اسلامیہ یا اجماع مفسرین یا تفسیر قرآن کے خلاف ہوں اور وہ یہ کہے کہ آیت کے وہ معنی نہیں بلکہ یہ ہیں جو میں بیان کر رہا ہوں جیسا کہ اس زمانہ میں چکڑالوی، قادیانی، اور دیوبندی وغیرہ کر رہے ہیں۔ دونوں قسم کی تحریفیں کفر ہیں۔

مفسر وہ شخص ہوسکتا ہے۔

(۱) جو کہ قرآن کے مقصد کو پہچان سکے۔

(۲) ناسخ و منسوخ کی پوری خبر رکھتا ہو۔

(۳) آیات و احادیث میں مطابقت کرنے پر قادر ہو۔ یعنی جن آیتوں کا آپس میں مقابلہ معلوم ہوتا ہو یا جو آیات کہ احادیث کے خلاف معلوم ہوتی ہوں ان کی ایسی توجیہہ کر سکے کہ جس سے مخالفت اٹھ جائے۔

(۴) آیتوں کے شان نزول سے باخبر ہو۔

(۵) آیتوں کی توجیہ کر سکے۔ یعنی جو قرآن پاک کی آیتیں عقل کی رو سے محال معلوم ہوتی ہوں ان کو حل کر سکے۔ مثلاً قرآن پاک میں آتا ہے کہ حضرت مریم رضی اللہ عنہا سے لوگوں نے کہا: یا اخت ھارون حالانکہ ہارون علیہ السلام و موسیٰ علیہ السلام کے بھائی، اور حضرت مریم رضی اللہ عنہا میں سینکڑوں برس کا فاصلہ ہے۔ تو پھر حضرت مریم رضی اللہ عنہا ان کی بہن کیسے ہوسکتی ہیں۔ اسی طرح قرآن کریم فرماتا ہے کہ سکندر ذوالقرنین نے آفتاب کو کیچڑ میں

ڈوبتا ہوا پایا۔ حالانکہ آفتاب ڈوبتے وقت زمین پر نہیں آتا اور نہ کیچڑ او نچی ہوکر آفتاب تک پہنچتی ہے۔ ان جیسی آیات کی توجیہیں کر سکے۔

(۶) آیات میں محذوفات نکالنے پر قدرت رکھتا ہو۔ یعنی بعض جگہ آیات میں پوری کی پوری عبارتیں محذوف ہیں۔ ان کے بغیر نکالے ہوئے آیت کا ترجمہ درست نہیں ہوتا۔

(۷) عرب کے محاورے سے پورے طور پر واقف ہو۔ قرآن پاک نے بہت جگہ وہاں کے خاص محاورے استعمال فرمائے ہیں۔ جیسے تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ (لھب:۱) ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں یا کہ فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاۗءُ وَالْاَرْضُ (الدخان:۲۹) کہ کفار کے مرنے پر زمین اور آسمان نہ روئے۔ يَاذُقْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ (الدخان:۴۹) یعنی کفار سے جہنم میں کہا جائے گا۔ تو یہ عذاب چکھ تو بڑا عزت اور کرم والا ہے وغیرہ وغیرہ۔

ان جیسی آیات کے مقصود کو پہچان سکے اور معلوم کر سکے کہ اس جگہ کس قسم کا محاورہ استعمال ہوا ہے۔

(۸) محکم اور متشابہ آیت کو پہچانتا ہو۔

(۹) قرأتوں کے اختلاف سے واقف ہو۔

(۱۰) مکی اور مدنی آیتوں کو جانتا ہو وغیرہ۔

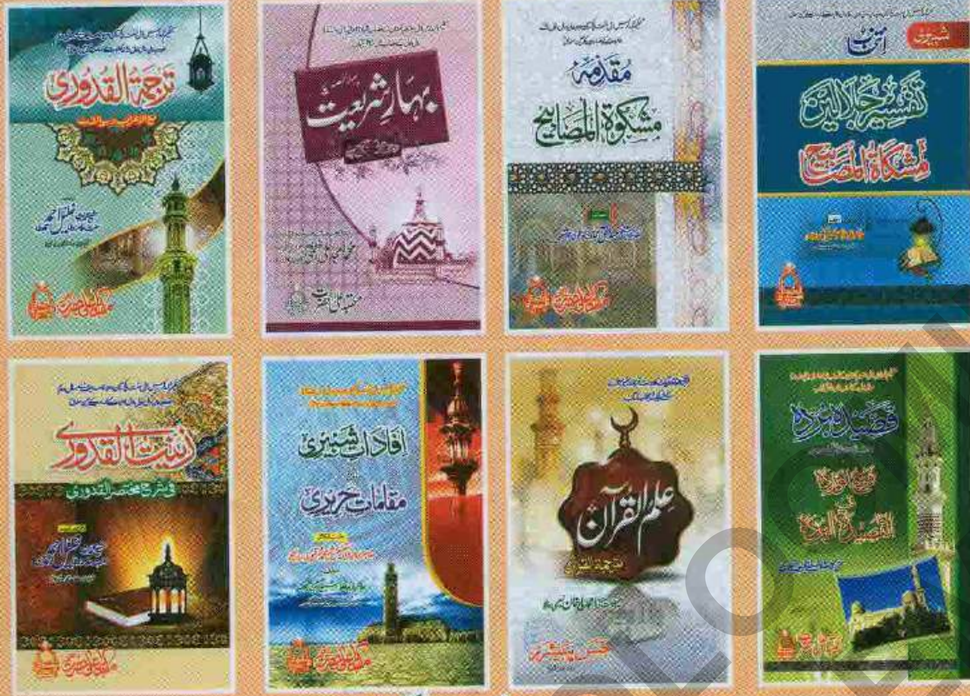
جب اتنی صفتیں موجود ہوں تو تفسیر کرنے کی ہمت کرے اس کی زیادہ تحقیق مقصود ہو تو دیکھو تفسیر فتح البیان کا مقدمہ مگر افسوس ہے کہ اس زمانہ پر فتن میں تفسیر قرآن کو جتنا آسان سمجھا گیا ہے اتنا آسان اور کوئی کام نہیں سمجھا گیا۔ حق تعالیٰ اس زمانے کے فتنوں سے بچائے۔

فقیر حقیر پر تقصیر احمد یار اپنے قصور علم کا اقرار کرتا ہوا محض اللہ تعالیٰ و رسول کریم ﷺ کے بھروسے پر اس کام کو شروع کرتا ہے اور اس دریا ناپیدا کنار میں غوطہ لگاتا ہے اور

بارگاہ الٰہی میں دعا کرتا ہے کہ حق بات قلم سے نکلوائے اور اسے قبول فرما کر میرے لئے صدقہ جاریہ اور توشۂ آخرت بنائے۔ اور جن حضرات نے اس کام میں دامے درمے قدمے قلمے سخنے مدد کی انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ۔

احمد یار خان نعیمی اشرفی
مہتمم مدرسہ غوثیہ گجرات

کتبِ مکتبہ اعلیٰ حضرت نصاب درجہ عالیہ سال اول (طالبات)



حسن پبلشرز کی دیگر کتب

